ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

8

اگست 2003ء ★ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ

- ★ جشن آزادی
- ★ کوے کی چونچ میں انار کلی
- ★ فلسطینی وزیر اعظم اور بہائی فرقہ
- ★ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ واقعات و مشاہدات
- ★ دینی مدارس ★ تحفظ و ارتقاء کی چند تجاویز
- ★ صحابہ کرام اور قادیانی گستاخیاں

نورِ ہدایت

القرآن

''مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح بھی ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ہم نے تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سنادی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔''

(سورۃ آل عمران:۱۱۸)

الحدیث

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں۔ میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے۔پس جو اسے جوڑے گا میں اُسے جوڑوں گا جو اسے توڑے گا میں اُسے توڑوں گا۔''

(سنن ابی داؤد)

الآثار

''آج کل ہمارے علماء بھی دینی اصطلاحات سے زیادہ مغربی اصطلاحوں میں بات کرنے لگے ہیں۔یہ مُسلّم ہے کہ ہر اصطلاح اپنی ایک فضا رکھتی ہے۔لہٰذا بے احتیاطی سے اگر کوئی غیر اصطلاح استعمال کرے گا تو وہ خواہ ہم معنی ہی کیوں نہ ہو بڑے بڑے نتیجے پیدا کرے گی۔مثلاً دعا کی جگہ ''پرارتھنا''، عبادت کی جگہ ''یوگ یا گیان یا تپسیا''، مسجد کی جگہ ''شوالہ'' استعمال ہو جائے تو مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے.....لہٰذا میری استدعا ہے کہ غیر اصطلاحات ولفظیات سے سخت اجتناب کیا جائے.....اور اپنے مطالب معاشی مسئلے میں بھی اس طرح ادا کئے جائیں جس طرح آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ ادا کرتے آئے ہیں۔

دین اسلام رضائے الٰہی کے طریقے بتاتا ہے۔معاشی مسئلہ بھی طبقاتی طریق سے زیادہ اخلاقی روحانی مسئلہ ہے۔لہٰذا اس کے لیے دینی انداز بیان اختیار کرنا چاہیے۔غیروں کی طرح بات کرنے سے غیر فلسفیوں کی فضا تیار ہوتی ہے۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم

(''الاحرار'' مارچ ۱۹۷۰ء)

ماہنامہ
نقیب ختم نبوت ملتان
Regd:M.No.32
جلد ۱۴ شمارہ ۸ اگست ۲۰۰۳ء جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ

بیاد
سید الاحرار حضرت امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی
ابن امیر شریعت خطیب بنی ہاشم
محسن احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

دل کی بات	اداریہ	مدیر	۲
	حمد باری تعالیٰ (اقبال عظیم) محمد عربی ﷺ (شورش کاشمیریؒ)		۴
دین و دانش	تکمیل حفظ قرآن (خطاب: سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ)	ضبط تحریر: سید عطاء المنان بخاری	۶
// //	اکرام مہمان	حافظ محمد اکمل	۸
// //	انسان بے بس اور اللہ بے نیاز!	حمید اللہ جمیل ایڈووکیٹ	۱۰
افکار	جشن آزادی......!	سید عطاء المحسن بخاری	۱۳
// //	کوے کی چونچ میں انار کلی	سید یونس الحسنی	۱۵
// //	فلسطینی وزیر اعظم اور بہائی فرقہ	مولانا زاہد الراشدی	۱۸
// //	دینی مدارس...... تحفظ و ارتقاء کی چند تجاویز	مولانا اشہد رفیق ندوی	۲۱
// //	پاک فوج امریکی ڈھال کیوں؟	جنرل (ر) حمید گل	۲۷
// //	بے بنیاد پرستی	اطہر ہاشمی	۳۱
// //	"کوئی صورت نظر نہیں آتی"	پروفیسر خالد شبیر احمد	۳۴
// //	مذہبی انتہا پسندی اور جنرل مشرف	عبدالرشید ارشد	۳۸
// //	بنگلہ دیش اور اسرائیل میں مماثلت	حافظ حبیب اللہ چیمہ	۴۰
گوشۂ امیر شریعتؒ	سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ...... واقعات و مشاہدات	مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ	۴۱
ردِّ قادیانیت	صحابہ کرام ؓ اور قادیانی گستاخیاں	مولانا محمد مغیرہ	۴۹
یاد رفتگاں	شیخ عبدالمالک مرحوم	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	۵۱
// //	قمر الحق قمر مرحوم	سید محمد کفیل بخاری	۵۵
گوشۂ نسواں	تو اس چہرے کو......!	ام آغائی	۵۶
طنز و مزاح	زبان میری ہے بات اُن کی	عینک فریدی	۵۷
فکاہیہ	"میں ایک ویگن ڈرائیور ہوں"	دیدہ ور	۵۸
شاعری	سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (شورش کاشمیریؒ) دعوت امریکہ (علامہ طالوت مرحوم)		۵۹
	یاد رفتگاں (سید کاشف گیلانی) ترانۂ فکر احرار (ابوسفیان تائب)		
ترجیم	مسافران آخرت	ادارہ	۶۳
	آخری صفحہ	ساغر اقبالی	۶۴

زیر سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
○
ابن امیر شریعت حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری

رفقاء فکر
چودھری ثناء اللہ بھٹہ
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ
سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ ● محمد عمر فاروق

کمپوزنگ
الیاس میراں پوری

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

زرتعاون سالانہ
اندرون ملک:-/150 روپے
بیرون ملک:-/1000 روپے
فی شمارہ:-/15 روپے

اکاؤنٹ نمبر: 5278-1
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ
چوک مہربان ملتان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری
طابع: تشکیل نو پرنٹرز

مقام اشاعت
دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
فون: 061-511961

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان

دل کی بات

''جو ہو سکے تو یہ ارضِ وطن بچا لیجیے!''

۱۴/اگست کو ہم ۵۶ واں جشن آزادی منا رہے ہیں۔مگر قوم ابھی تک آزادی کے صحیح مفہوم سے نا آشنا اور نعمت سے محروم ہے۔کونسی آزادی، کس کی آزادی اور کیسی آزادی؟ حکمرانوں اور سیاست دانوں نے اپنی نااہلی کے چھپن سال گزار دیئے مگر ابھی تک اِسی ایک سوال کا جواب ڈھونڈنے میں مصروف ہیں۔

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی سامراج نے ہمیں آزاد کیا تو دوسرے لمحے امریکی سامراج نے ہمیں اپنے ''حبالۂ عقر'' میں لے کر پھر غلام بنالیا۔گویا برطانیہ نے ہمیں اٹھا کر امریکی جھولی میں ڈال دیا اور ہم.....

جہاں روزِ اوّل کھڑے تھے کھڑے ہیں

پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان دورۂ روس کا طے شدہ پروگرام منسوخ کر کے امریکہ کے دورے پر روانہ ہوگئے۔روس ہم سے ناراض ہوگیا اور وہ حق بجانب تھا۔چنانچہ آج تک ناراض ہے۔جنوبی ایشیاء میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اگر چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو دوسرا ہاتھ امریکہ کے ہاتھوں میں دے دیا۔اور پھر کسی بھی ملک سے دوستی کے لیے ہمیں امریکی اجازت کا پابند کر دیا گیا۔اسی پابندی اور غلامی کا شاخسانہ ہے کہ ہمسایہ ممالک افغانستان، ایران، بھارت، اور چین کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات بہتر نہ رہے۔حکمرانوں کی غلط خارجہ پالیسی اور امریکہ کی مکمل فرماں برداری کے نتیجے میں پاکستان کا وقار، اعتماد اور تشخص بری طرح مجروح ہو کے رہ گیا۔

قومی رائے کو یکسر نظر انداز کر کے افغانستان میں امریکہ کی بھرپور مدد کی اور ایک پرامن، مستحکم، نمائندہ اسلامی حکومت کے خاتمے میں کلیدی کردار ادا کیا۔افغانستان کے موجودہ حکمرانوں کو اقتدار دلوانے کے لیے ہم نے راستہ دیا اور راستہ بنایا مگر آج افغان صدر حامد کرزئی پاکستان کے خلاف بیانات دے رہے ہیں۔افغانستان میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ کر کے اُسے تباہ کیا گیا، پاکستان کے خلاف احتجاجی مظاہر ہوا جس کی قیادت حامد کرزئی کے بھائی نے کی۔روس کے خلاف افغان جہاد کے دوران افغانستان کے ہر شہر میں دکانوں پر جنرل ضیاء الحق کی تصاویر آویزاں تھیں مگر آج افغانی مظاہرین نے جنرل پرویز مشرف کا پتلا نذر آتش کیا۔حامد کرزئی نے کہا کہ!

''پاکستانی فوج افغانستان میں مداخلت بند کرے۔ہمارے پاس اپنے دفاع کے لیے امریکی اور اتحادی افواج موجود ہیں۔''

اُدھر بھارت نے واویلا کیا کہ پاکستان کشمیر میں دراندازی کررہا ہے۔یہی بولی حامد کرزئی بول رہے ہیں۔اور امریکہ بھی پاکستان پر یہی الزام لگا کر مطالبہ کررہا ہے کہ کشمیر میں دراندازی بند کرو۔مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے حالیہ دورۂ بھارت کے دوران درست کہا ہے کہ:

''بھارت برطانوی سامراج سے آزادی کی جنگ لڑنے والے بھگت سنگھ کو تو ''مجاہدِ آزادی'' قرار دیتا ہے لیکن کشمیر کے لیے لڑنے والے مجاہدین کو دہشت گرد۔انہوں نے کہ پاکستان و بھارت کو کشمیر سمیت اپنے تمام معاملات مذاکرات کے ذریعے خود حل کرنے چاہئیں اور امریکی ثالثی کو قبول نہیں کرنا چاہیے۔''

افغانستان میں بھارتی اثر ونفوذ بڑھ رہا ہے اور پاکستان کے خلاف ایک مضبوط بھارتی لابی متحرک ہے۔جس کے نتیجے میں افغان فورسز نے پاکستانی چوکیوں پر حملے بھی شروع کردیئے ہیں۔

سقوطِ بغداد کے بعد امریکہ و برطانیہ نے اتحادی ممالک سے اپنی افواج عراق بھجوانے کا مطالبہ کیا جسے فرانس ،جرمنی اور روس نے مسترد کردیا۔حتیٰ کہ بھارت نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ ''ہم اپنے معاملات میں آزاد ہیں اپنے فیصلے خود کرتے ہیں۔'' مگر ہم ہیں کہ عراق میں پاکستانی فوج بھیجنے پر مُصر ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جس طرح افغانستان میں فوج بھیجنے کا ہمیں نقصان ہوا۔اُسی طرح عراق میں بھی ہوگا۔امریکہ مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر اپنا قبضہ واقتدار مستحکم کرنا چاہتا ہے۔حکمران اس سازش کو سمجھیں اور اپنا قبلہ درست کریں۔

پاکستان نے ایٹم بم بنایا مگر اُسے رکھنے اور سنبھالنے میں آزاد نہیں۔صدر اور وزیراعظم فرماتے ہیں کہ ملک کا دفاع مضبوط ہاتھوں میں ہے۔لیکن قوم جاننا چاہتی ہے کہ ''مضبوط ہاتھ'' ہمارے اپنے ہیں یا امریکہ کے؟ ہم اپنی تعلیمی، معاشی ،اقتصادی ،سیاسی ،مذہبی اور داخلی وخارجی پالیسیوں میں آج بھی غلام ہیں۔کسی شعبے میں بھی ترقی ہوئی نہ استحکام آیا۔آج تک یہ طے نہ ہوسکا کہ ملک میں کونسا نظام چلانا ہے۔نتیجتاً ملک میں کوئی نظام نہیں۔چھپن برسوں سے فوج اور سیاست دان گتھم گتھا ہیں اور کشتی جاری ہے۔اس تصادم نے ہمارا سب کچھ تباہ کردیا۔قوم کو ناچنے ،گانے ،آوارگی ،فحاشی، دین اسلام کی توہین واستہزا ،قرآن میں دجل وتحریف،عقیدۂ ختم نبوت حدیث رسول ﷺ کے انکار کی مکمل آزادی ہے۔وطن عزیز امریکی پالیسیوں کے بھنور اور گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔گزشتہ چھپن سالہ حکمرانوں نے اپنی نااہلی کے نتیجے میں دوست بھی دشمن بنالیے ہیں۔ملک امریکی مفادات کی دلدل میں دھنستا چلا جارہا ہے اور کوئی ہمارا ہاتھ تھامنے کو تیار نہیں۔

حکمران، جشن آزادی منانے کی بجائے اپنی نااہلی کی ۵۶ ویں برسی منائیں اور سیاست دان بھی پیارے وطن کے حال پر رحم فرمائیں۔ابھی وقت ہے اور قدرت نے ہمیں مہلت دے رکھی ہے:

جو ہوسکے تو یہ ارضِ وطن بچا لیجیے
کوئی بھروسہ نہیں اپنے حکمرانوں کا

اقبال عظیم

حمد باری تعالیٰ جل جلالہٗ

نام بھی تیرا عقیدت سے لیے جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کئے جاتا ہوں

کوئی دنیا میں مرا مونس و غم خوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے پہ جئے جاتا ہوں

تیرے اوصاف میں اک وصفِ خطا پوشی ہے
اسی بھروسے پہ خطائیں بھی کئے جاتا ہوں

آزمائش کا محل ہوکہ مسرت کا مقام
سجدۂ شکر بہرحال کئے جاتا ہوں

زندگی نام ہے اللہ پہ مرمٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیئے جاتا ہوں

صبر کرنا ہے تری شان کریمی کو عزیز
میں یہی سوچ کے آنسو بھی پیئے جاتا ہوں

ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اقبالؔ
شکر ہے، ایک سلیقے سے جیئے جاتا ہوں

شورش کاشمیری

محمدِ عربی ﷺ

ہم پہ ہو تیری رحمت جم جم صلّی اللہ علیک وسلّم
تیرے ثنا خواں عالم عالم صلّی اللہ علیک وسلّم

ہم ہیں تیرے نام کے لیوا اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم صلّی اللہ علیک وسلّم

تیری رسالت عالم عالم تیری نبوّت خاتم خاتم
تیری جلالت پرچم پرچم صلّی اللہ علیک وسلّم

دیکھ تیری اُمت کی نبضیں، ڈوب چکی ہیں، ڈوب رہی ہیں
دِھیرے دِھیرے مدّھم مدّھم صلّی اللہ علیک وسلّم

دیکھ صدف سے موتی ٹپکے دیکھ حیا کے ساگر چھلکے
سب کی آنکھیں پُرنَم پُرنَم صلّی اللہ علیک وسلّم

قریہ قریہ بستی بستی دیکھ مجھے ، میں دیکھ رہا ہوں
نوحہ، نوحہ، ماتم ماتم، صلّی اللہ علیک وسلّم

اے آقا! اے سب کے آقا! ارض وسما ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پہ مرہم مرہم، صلّی اللہ علیک وسلّم

☆.....☆.....☆

خطاب

حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

ضبطِ تحریر: سید عطاء المنان بخاری

تکمیل حفظِ قرآن

(مدرسہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، ملتان کے طلباء حافظ محمد کاظم، حافظ محمد سرفراز اور حافظ محمد منوّر کے قرآن پاک حفظ کرنے اور محمد ابوبکر کے قرآن پاک ناظرہ مکمل کرنے پر منعقدہ تقریب سے خطاب۔ ۲۶/جون ۲۰۰۳ء)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَصَلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْمُجْتَبٰى اَمَّا بَعْد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم. اِنَّ هٰذَاالْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ (۱) وَقَالَ تَعَالٰى وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْم (۲) صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمِ وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمِ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عزیز طلباء، اساتذہ کرام اور حاضرین مجلس! یہ بہت ہی مبارک تقریب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر اپنا خاص فضل فرمایا کہ اس کے پاک کلام کی تقریب تکمیل حفظ میں ہم سب لوگ شریک ہیں۔ عزیز طلباء اور بزرگوں سے ایک بات خصوصی طور پر آج کی محفل میں عرض کرنی ہے۔ دنیا کے لوگ بڑا اُس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس مال ہو، جس کے پاس دنیاوی تعلیم کی بہت ڈگریاں ہوں۔ ڈگری والے کو کہتے ہیں کہ بہت پڑھا ہوا ہے، مال والے کو کہتے ہیں یہ بڑا اونچا آدمی ہے۔ یادرکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں ان ڈگریوں اور اس مال کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے کہ یہ اللہ کے ہاں کام آنے والی چیزیں نہیں ہیں، صرف دنیا میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔ ان ڈگریوں نے اللہ کے ہاں کوئی سفارش نہیں بننا اور اس مال نے بھی اللہ کے ہاں اس کو بڑا نہیں بنانا، سفارش کرنی ہے تو قرآن نے اور بڑا بنانا ہے تو بھی قرآن نے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو، اس وقت بڑے بڑے رؤسائے قریش حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، وہ سب کہنے لگے کہ ھٰذاالْعَبْدُيُؤَ ذِنُ (یہ غلام اذان دے گا)، رؤسائے قریش میں سے کسی کو اذان دینے کا یہ حق نہیں ہے؟ نبی مکرم ﷺ نے خاموشی اختیار کی، علماء لکھتے ہیں کہ اس وقت آیت نازل ہوئی۔ اللہ پاک نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ یہ غلام ہی اذان دے گا، رؤسا میں سے کوئی اذان نہیں دے سکتا۔ انہیں اپنے نسب، اپنے مال اور اپنے اقتدار پر فخر تھا کہ ہم صاحب اقتدار لوگ ہیں۔ ہمارے پاس مال موجود ہے ہم رؤسا ہیں ہم قریش ہیں اور یہ کل کا غلام جو بِکتا بِکتا حضور ﷺ کے پاس پہنچا

---

(۱) ''یہ قرآن بتلاتا ہے، وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔'' (بنی اسرائیل: ۹)

(۲) ''اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے، ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔'' (النمل: ٦)

'آج بھی غلام ہے، یہ ہمارے سامنے کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دے گا۔ اس کو یہ اعزاز؟ اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍوَّاُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (الحجرات: ۱۳)

(''اے لوگو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے' خبردار ہے۔'')

دو باتیں آج عرض کرنی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ جتنے بھی دنیا میں علوم وفنون رائج ہیں، ان کے ذریعے اللہ پاک ہدایت نہیں دیتا، صراطِ مستقیم حاصل نہیں ہوتا۔ سیدھا راستہ تلاش کرنا چاہتے ہو تو قرآن کریم' جسے اللہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ پر نازل فرمایا' اس کے بغیر سیدھا راستہ نہیں مل سکتا۔ انسانی عقلوں سے نکلے ہوئے جتنے بھی فنون ہیں' جتنی بھی کتابیں ہیں' جتنے بھی راستے ہیں' جتنے بھی نظام ہیں' جتنے بھی قوانین اس کائنات میں ہیں' وہ انسان کو سیدھا راستہ نہیں بتا سکتے۔ اس لیے کہ انسان خود ناقص ہے اس کے ترتیب دیے ہوئے ہدایت نامے بھی ناقص ہیں۔ اللہ پاک مخلوق کا مالک ہے۔ اس نے اپنی مخلوق کے مزاج اور ضرورت کے مطابق' جو ترتیب دی ہے وہ اکمل ہے۔ ساری زندگی گزارنے کے طریقے اس میں موجود ہیں۔ جب تک مسلمان اس کے طریقوں پر عمل نہیں کرے گا' اس وقت تک اس کے اندر اللہ سے ڈرنے کی صفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اللہ سے ڈرنے کی صفت پیدا ہونے سے ہی اللہ کے ہاں وہ بڑا بنے گا اور دوسری بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے آپ کو اپنا یہ کلام پڑھنے کے لیے دیا ہے۔ مگر اُمت اس کلام سے غافل ہو گئی ہے۔'' جس طرح اللہ عظیم ہے' اسی طرح اس کا کلام بھی عظیم ہے۔ علماء لکھتے ہیں جس طرح اللہ سے اس کی عظمت الگ نہیں ہو سکتی' اُسی طرح قرآن سے اُس کی عظمت الگ نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ کا کلام ہے' اس لیے عظمت والا ہے۔ جس آدمی نے اس عظمت والے کلام کو پڑھا' وہ خدا کے ہاں عظمت والا ہو گیا۔ یہ دنیا کی ڈگریاں قبر میں کام آئیں گی نہ حشر میں کام آئیں گی۔ دنیا اور قبر میں یہی قرآن کام آئے گا، حشر میں بھی یہی قرآن کام آئے گا۔ عظمت والے بندے کے لیے قرآن پڑھنا ضروری ہے' مال دار ہونا ضروری نہیں ہے، کوٹھی، کار، بنگلہ ضروری نہیں۔ قرآن تمہارے سینوں میں آ گیا تو یوں سمجھو تم عظیم بن گئے اور اس عظمت پر اللہ کا شکر ادا کرو، تکبر نہ کرو۔ دنیا کی ڈگری والے متکبر ہو جاتے ہیں: ''جناب! میں ڈبل ایم اے ہوں' میں نے پی ایچ ڈی کی ہے، لندن ہو کر آیا ہوں۔'' یاد رکھو! قرآن پڑھنے والا عظیم ہے۔ اس بات کا فرق ذہنوں میں بٹھا لو کہ تم ہی عظیم لوگ ہو۔ سکول، کالج نہیں۔ یہ مدارس عظمت والے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تم سب کو عظیم بنائے اور جن کی اولادوں نے قرآن پاک پڑھ لیا وہ عظیم اولاد کے عظیم ماں باپ بن گئے' یہی تمہارے سفارشی ہوں گے' ڈگریوں والے سفارش نہیں کریں گے۔ قرآن والا سفارش کرے گا اور ان کے صدقے تمہیں ایسا تاج پہنایا جائے گا' جیسے انبیاء (علیہم السلام) کے سروں پر تاج ہوں گے' کسی ایم اے یا پی ایچ ڈی کے سر پر تاج نہیں رکھا جائے گا۔ قرآن پڑھنے والے کے سر پر تاج رکھا جائے گا۔ اللہ پاک اس عظمت کو سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ عظیم لوگ بن گئے کہ آپ کے گھروں میں یہ چراغ جل گئے یہ روشنی آ گئی۔ جن گھروں میں قرآن نہیں پڑھا جاتا' وہاں اندھیرا ہے' خواہ ان کے پاس مال دولت' اقتدار سب کچھ موجود ہو، اللہ آپ کو یہ روشنی مبارک کرے۔ (آمین)

حافظ محمد اکمل
(استاذ مدرسہ معمورہ، ملتان)

اکرامِ مہمان

دین، نبی کریم ﷺ کی محبوب اداؤں کا نام ہے۔ان محبوب اداؤں میں ایک ادا مہمان کا اکرام، جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔''

(''بخاری'')

اس حدیث کی شرح ملا علی قاری ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مہمان کا اکرام یہ ہے کہ جب وہ آ جائے تو اس پر خوشی کا اظہار کرے اور پھر اس کا تین دن تک اکرام کرے۔ پہلے دن اپنی حیثیت کے مطابق اور کچھ تکلف کرے تو اچھا ہے۔پھر دوسرے اور تیسرے دن جو کچھ موجود ہو اسے حاضر کر دے۔تین دن کے بعد جب تک بھی اکرام کرتا ہے تو پھر اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔''

(''مرقات'')

مہمان کو کھانا کھلانے میں اجر کیا ملتا ہے؟ اس بارے میں حضرت ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کون سا عمل جنت کو واجب کرنے والا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اچھی بات کرنے اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑو۔''

(''مستدرک حاکم'')

ان فرامین نبوی کو ہمارے اکابر نے کس طرح اپنایا؟ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا عمل ایک عیسائی کے ساتھ! اس کو مسلمان ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔

سید امین گیلانی رقم طراز ہیں کہ:

''سید الاحرار حضرت امیر شریعتؒ ایک مرتبہ مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں شریک تھے۔کھانے کے دستر خوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان بھنگی جس کا نام پرتھی تھا، کھڑے دیکھا۔شاہ جیؒ نے فرمایا: ''آؤ بھائی! کھانا کھا لو۔'' اس نے عرض کیا: ''جی! میں تو بھنگی ہوں۔'' شاہ جیؒ نے درد بھرے لہجہ میں فرمایا: ''انسان تو ہو اور بھوک تو لگتی ہے۔'' یہ کہہ کر خود اٹھے، اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھا لیا، وہ بے چارا تھر تھر کانپ رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا ''جی میں تو بھنگی

ہوں'' شاہ جیؒ نے خود لقمہ توڑا، شوربے میں بھگو کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جیؒ نے ایک آلو ہاتھ سے پکڑ کر اس کے منہ میں دیا۔ اس نے آدھا دانتوں سے کاٹا تھا کہ باقی آدھا شاہ جیؒ نے خود کھالیا۔ اسی طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔ وقت گزر گیا وہ کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا۔ اس پر رقت طاری تھی۔ بقول اس کے وہ گھر جا کر خوب رویا۔ اس کی کیفیت ہی بدل گئی۔ عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی، جس کی گود میں ایک بچہ تھا، ساتھ لے کر آیا اور کہا: ''شاہ جیؒ! اللہ کے لیے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجیے اور میاں بیوی دونوں مسلمان ہو گئے۔''

(''بخاریؒ کی باتیں''۔ سید امین گیلانی)

مولانا محمد اسلم شیخوپوری اپنی کتاب ''خزینہ'' میں حضرت شیخ الہندؒ کے مہمان کے اکرام میں ان کا عمل یوں تحریر کرتے ہیں:

''مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی شہرت سن رکھی تھی۔ ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچے۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ''مجھے مولانا محمود حسن صاحب سے ملنا ہے۔ وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے۔ آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ''ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔'' مولانا منتظر رہے۔ اتنے میں وہ صاحب شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا۔ اس کے بعد مولانا اجمیری نے کہا کہ ''حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو اطلاع کر دیجیے۔'' ان صاحب نے فرمایا: ''آپ فکر نہ کریں اور آرام سے تشریف رکھیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا۔ مولانا اجمیری نے کہا کہ ''میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ آپ انہیں اطلاع کر دیجیے۔'' ان صاحب نے فرمایا: ''انہیں اطلاع ہو گئی ہے، آپ کھانا تناول کریں، ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔'' مولانا اجمیری نے کھانا کھالیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو مولانا اجمیری برہم ہو گئے اور فرمایا: ''آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے۔ ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی۔'' اس پر وہ صاحب بولے کہ: ''دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں، البتہ محمود، خاکسار ہی کا نام ہے۔'' مولانا معین الدین اجمیری یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ شیخ الہندؒ کیا شخصیت ہیں۔''

(''خزینہ''۔ مولانا محمد اسلم شیخوپوری)

حمید اللہ جمیل (ایڈووکیٹ)

انسان بے بس اور اللہ بے نیاز!

اللہ ربّ العزت اور انسان کا تعلق پروردگار اور بندے کا تعلق ہے۔ یہ تعلق خالق اور مخلوق، عابد اور معبود اور ساجد اور مسجود کا تعلق ہے۔ اس صریح اور کھلی حقیقت سے کوئی بھی ذی فہم اور ذی ہوش انکار کی جسارت نہیں کرسکتا۔ عالم کے پروردگار نے قرآن عظیم الشّان میں جنّ وانس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اُس کی بندگی کریں، اُس کی عبدیت اختیار کریں، اُ کی ربوبیت کو تسلیم کریں اور اس کی کبریائی اور قوت وعظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔

نمرود ہو یا فرعون، قارون ہو یا شداد، ابوجہل ہو یا ابی لہب، سب اُسی خدائے واحد کے آگے مجبور و بے بس ہیں اور ایک روز اُسی کے حضور پیش کئے جائیں گے۔ خدائی کا دعوے دار فرعون سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کے دلائل و براہین اور معجزات کے سامنے لاجواب ہونے کے باوجود حق کا منکر رہا اور لوگوں سے یہی کہتا رہا کہ ''میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں'' (النزعٰت :۲۴) مگر جب ارض وسماء کے حقیقی رب کی گرفت میں آیا اور طوفانِ آب میں غرقاب ہونے لگا تو اپنی موت کو سامنے دیکھ کر پُکار اُٹھا کہ ''میں موسیٰؑ کے رب پر ایمان لایا۔'' (یونس:۹۰) لیکن اب اس کا ایمان لانا قانونِ توبہ کی رُو سے خدا کے ہاں قابل قبول نہ تھا کیونکہ توبہ کی قبولیت آثارِ موت کے ظہور سے قبل ممکن ہے۔ ایک وسیع وعریض سلطنت کا مطلق العنان اور مضبوط ترین بادشاہ ہونے کے سبب سے فرعون تکبّر اور خودسری کا شکار ہوکر خود خدا کہلوانے کے خبط میں مُبتلا ہوگیا تو ربِّ حقیقی کے عتاب اور ابدی عذاب کا شکار ہوکر رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بن گیا۔ اُسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی اور اس کی عارضی اور غیر حقیقی شان وشوکت اور بادشاہی اُسے بچا نہ سکی اور وہ ایک خطۂ زمین کا طاقتور شہنشاہ ہونے کے باوجود خالقِ کائنات اور احکم الحاکمین کے آگے انتہائی مجبور، بے بس، بے وقعت اور حقیر ثابت ہوا۔

دنیا کی حکمرانی، جاہ وجلال اور قوت وامارت سب اللہ کی عطا کی ہوئی عارضی اور ناپائیدار چیزیں ہیں۔ اس میں کسی حکمران، کسی رئیس اور کسی طاقتور کا کوئی کمال نہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی عنایات اور کمالات ہیں جن کا مقصد صرف انسان کی آزمائش ہے۔ انسان کو ایک روز اپنے رب کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ روزِ قیامت یقیناً آئے گا، میزانِ عدل لگے گی اور حاکم ومحکوم امیر وغریب، طاقت ور اور کمزور سب اپنے پروردگار کے حضور سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔

یہ واقعہ ہے کہ انسان انتہائی نادان اور کمزور واقع ہوا ہے۔ وہ اپنی ذرا سی صلاحیت اور وصف کی بنا پر آسمانوں میں اُڑنے لگتا ہے اور خودفریبی کا شکار ہوکر خود کو جانے کیا کیا سمجھنے لگتا ہے، مگر وہ ذرا غور تو کرے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ وہ ایک

قطرے سے پیدا کیا گیا ہے۔قرآن مجید میں ہے ''کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا، سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا''۔(یٰسین:۷۷) ''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یُوں ہی مُہمل چھوڑ دیا جائے گا۔کیا یہ شخص (ابتداً ہی میں محض) ایک قطرۂ منی نہ تھا جو (عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ نے (اس کو انسان) بنایا، پھر اعضاء درست کئے، پھر اس کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت''۔(قیامہ:۳۶۔۳۹)

انسان کی بے بسی اور لاچاری کا حال یہ ہے کہ اس کے بدن کے کسی حصہ میں ذرا سی خراش آئے یا معمولی سا درد بھی ہو تو اسے اپنے مقام و مرتبہ، حیثیت اور طاقت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔لاریب! انسان بے بسی، مجبوری اور لاچاری کی تصویر کے سوا کچھ نہیں۔دورِ ابتلاء میں اہلِ ایمان صبر و استقامت کے ساتھ اللہ ہی سے رجوع کرتے اور اسی سے استعانت طلب کرتے ہیں مگر اکثر تو وہ ہیں جو تکلیف میں ربّ ذوالجلال سے شکوہ شکایت پر اتر آتے ہیں اور اس کی لاتعداد نعمتوں اور احسانات کو ایک ہی پل میں بھلا دیتے ہیں۔

جب حقیقت میں انسان اس قدر مجبور اور بے اختیار ہے، جب وہ ہر لحظہ اللہ ہی کے فضل و احسان کا محتاج ہے، تو پھر اس کا اپنے خالق حقیقی سے تمرّد اور سرکشی کا رویّہ کیوں؟ اپنے الٰہ سے ایسی بے اعتنائی کیوں؟ اور اپنے پروردگار سے یہ بے رُخی، تکبّر اور گھمنڈ کیوں؟

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہے، ایک ایسا بے کراں سمندر جس کی وُسعتیں نگاہ کی بساط سے باہر ہوں۔اللہ سراپا رحمت ہے اور اہل جنت کے لیے اس کی شفقت ابدی ہے۔''اللہ'' کتنا دل نشیں، فرحت بخش، مسحور کن اور روح پرور لفظ ہے۔لاریب! تمام تر حسن، لطافتیں اور رعنائیاں اسی ایک لفظ میں پنہاں ہیں۔پروردگار کا اسمِ مُطہّر ''اللہ'' جب زباں پہ آتا ہے تو کائنات کی تمام لذّتیں زبان و دہن میں بھر آتی ہیں، دل کی گہرائیوں اور رگ و پے میں کیف و سرور کی لہریں دوڑ جاتی اور روح و قلب میں تمام تر پاکیزگی عُود کر آتی ہے۔

اللہ ربِّ ذوالجلال کی رزاقی اور بے نیازی کی یہ انتہا ہے کہ وہ کافر و مومن اور مشرک و منافق سب کو رزق عطا کرتا ہے۔وہ فرماں برداروں کو بھی عطا کرتا ہے اور نافرمانوں کا بھی پالنہار ہے۔تقسیم رزق کا اختیار اگر کسی انسان کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کو بھُوک، ننگ اور افلاس سے مار ڈالتا۔یہ اس ربِّ حقیقی ہی کی شان بے نیازی ہے جو سب پر ان گنت نعمتوں کی بارش برساتا ہے۔وہ تنگی و فراخی سے اہلِ ایمان کو بھی آزماتا ہے اور کفار کا بھی امتحان لیتا ہے یوں وہ مومنین کا توکل اور صبر و استقامت دیکھتا ہے اور کفار کا رویّہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے حقیقی معبود و مسجود اور منعمِ بے نیاز کو پہچان کر اس کی طرف چلے آتے ہیں یا کفر و الحاد کے گرداب ہی میں پھنسے رہتے ہیں۔

اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ ٹی وی آرٹسٹ، فلمی ہیرو اور سنگرز، کھلاڑی اور سیاسی و مذہبی زعماء ہماری توجّہ کا مرکز ہیں ہم اُنہی کے گُن گاتے اور انہی کو ''آئیڈیل'' تصور کرتے ہیں۔آہ! آج کسی کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے تو وہ یوں مُہر

بہ لب ہو جاتا ہے جیسے اپنے پروردگار کی تعریف وتوصیف کے لیے اس کے پاس کلمات نہ ہوں۔ ہم بزم دنیا میں قربتِ اقربا اور فراقتِ احباب کے بڑے خواہاں ہیں اوان کی فرقت میں غم واندوہ کی تصویر بن جاتے ہیں۔ ان کے ''نامے'' آئیں تو بڑی بے تابی سے بار بار پڑھتے ہیں مگر ہائے افسوس! وہ ''نامہ'' جو قرآن مجید فرقانِ حمید کی صورت میں اللہ ﷻ نے ہمارے نام بھیجا، اسے طاقوں میں سجا کر ''قران خوانیوں'' اور محض ''برکت'' کا ذریعہ بنائے بیٹھے ہیں۔

یہ رفقائے دنیا اور دوستی کے دعوے دار کس قدر مخلص اور ہمدرد ہیں اس کا فیصلہ زندگی کے تلخ حقائق کی روشنی میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ سوچیئے کہ انسان کا حقیقی دوست، سچا ہمدرد اور خیر خواہ کون ہے.....؟ آپ کے دل ودماغ گواہی دیں گے کہ اللہ ﷻ کے سوا انسان کا کوئی ہمدرد دوست اور خیر خواہ نہیں۔ انسان کے ''حقیقی ساتھی'' اس کے صالح اعمال ہیں جو روزِ محشر فلاح ونجات اور برأت کا سبب اور ذریعہ ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے: ''(اس روز) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے اور (اس روز) مجرم یعنی کافر اس بات کی تمنّا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے، اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہلِ زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے اور یہ اس کو عذاب سے بچالے۔'' (معارج ۱۱۔۱۴)

قرآن مجید صریح الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ دنیا میں دوستی اور محبت کے بڑے بڑے دعوے دار روز قیامت نفسا نفسی کا شکار ہوں گے اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اس روز سب اللہ ﷻ تعالیٰ ہی کے رحم وکرم پر ہوں گے اور وہ پورا پورا انصاف کرے گا۔ ذرا سوچیئے اور عقل وشعور کے سارے دریچے کھول کر سوچیئے کہ ہماری بے عملی، ہمارے تغافل اور باغیانہ رویّے کے باوجود اللہ ﷻ ہم پر کس قدر مہربان ہے۔ وہ ہماری جلوتوں اور خلوتوں میں ایک ''اجنبی'' کی حیثیت پا کر بھی کتنا رحیم وکریم ہے۔ کیا اُس سے بڑا بھی کوئی بے نیاز ہے؟

استقامت

''میں گزشتہ پچیس برس سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمتہ اللہ علیہ کے فکر وعمل کو مشعلِ راہ بنائے ہوئے' کام میں لگا ہوا ہوں۔ حالات نے بہت سی کروٹیں بدلیں، موسموں نے کئی رنگ بدلے مگر میں نے آنکھ جھپکی نہ تھکا اور نہ رنگ بدلا۔ آپ بھی اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلیں۔ حالات کے بدلنے سے آدمی نہیں بدلا کرتے اور اگر خدانخواستہ کسی طوفانِ بلاخیز میں آدمی بھی بدلتا ہے تو بدل جائے' عقیدہ، فکر اور نظریہ کبھی نہیں بدلتا۔ ہرگز نہیں بدلتا۔

(محسن احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ)

احرار کارکنوں کے نام پیغام' شہداء ختم نبوت کانفرنس چناب نگر (ربوہ) مارچ ۱۹۸۵ء

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جشنِ آزادی.....!

میں نے آزادی دیکھی، آزادی ناچ رہی تھی، آزادی گا رہی تھی، آزادی اچھل کود اور غل غپاڑے میں بری طرح مستعمل تھی۔ لوگ آزادی کو بے دریغ ''ورت'' رہے تھے۔ پاکستانی نسل جس نے آزادی کے لیے ایک تنکا نہیں توڑا، پاکستانی قوم جسے آزادی کے لیے کانٹا بھی نہیں چبھا۔ پاکستانی روشن خیال جنہوں نے غلامی کی طویل شب کو شب عروس سمجھا..... انہیں قتل کی آزادی ہے۔ بم بازی کی آزادی ہے۔ ڈاکہ زنی کی آزادی ہے۔ دودھ، دہی دال، چاول، گندم، دھنیا، نمک، مرچ، مسالہ میں ملاوٹ کی آزادی ہے۔ دن بھر سبزیاں مہنگی بیچنے اور رات گئے ریڑھیاں، چھابے گندگی کے ڈھیروں پر پھینکنے کی آزادی ہے۔ اور اس آزادی میں عورت کا ۵۲ فیصد حق ہے۔ لہٰذا وہ آزاد ہے' ماں باپ سے، بہن بھائی سے، خاوند سے، مذہب سے، دینی قیود و حدود سے۔ وہ بال کٹوائے، منہ، گردن، سینہ، بانہیں ننگی کرے، وہ گیمز میں حصہ لے وہ آزاد ہے۔ اور آج تو آزادی ہے۔ آزادی ناچے گی خواہ ''گوڈے'' اور ''گٹے'' ٹوٹ جاویں، آزادی ناچے گی، یہ پاکستانی ثقافت ہے۔ ہٹ او مُلّا! مجھے آج جی بھر کے آزادی منانے دے۔ یہ جشن آزادی پھر کہاں؟ اور تو کیا جانے آزادی کے کیا مزے ہیں؟ یہ ثقافتیے، یہ لاحقے، یہ سابقے، یہ بے تکے بیانئے، یہ آزادیے کہہ رہے تھے، بھاشن بگھار رہے تھے کہ ہم نے مُلّا ازم کو دفن کر دیا ہے۔ آزادی ایک روشنی ہے جس کی چکاچوند سے ہم روشن خیال ہی آزادی منا سکتے ہیں۔ آزادی کا ایک ایک لمحہ یادگار ہے، قومی زندگی کے ثقافتی جسد میں آزادی ہی روح رواں ہے۔ آزادی ہی جاوداں ہے، یہ لا مکاں، ماورائے حد امکاں، یہ کن فکاں، یہ سب قیاس و گماں ہے۔ آزادی مکان ہے، مکان واجب ہے، سراسرار ہے اور آزادی کے خیال ہی سے ہم پُر بہار رہتے ہیں اور امریکہ کی غلامی کے دن بھی ہمیں سازگار رہتے ہیں۔ اس حال میں جب بھی آزادی سے میں ملا ہوں' وہ مجھے اپنی اپنی سی لگی اور جب بھی پابندیوں میں اس کو ملا ہوں تو وہ نری باقیات ضیاء الحق لگی۔ ایسی آزادی کے ''فرقِ'' پہ خاک جو دل میں خوف خدا پیدا کرے، جو مہنگائی کو ''پھٹکارے'' جو سڑکوں پر رینگنے والی ابلیسی قوت سرمایہ دارانہ نظام کو ''دُرکارے'' جو لگژری کو انسانی زندگی میں گھلا ہوا زہر بے تریاق کہے، جو اسلام آباد کے غاصب ٹولے اور امریکی کمیوں کو شیطانی اشرافیہ بتائے۔ وہ آزادی ہمیں نہیں چاہیے جو ہم جاگیرداروں کی گردن ناپے۔ ایسی آزادی کے ہم قائل نہیں' جس میں حکمرانوں کے ایک اعلان سے ظالموں، جابروں اور مستبدوں کا جسم خبیث پسینے میں شرابور ہو جائے اور فریبی آنکھیں تملق کے بدبودار قطرے ٹپکائیں مگر دل ''آزادی'' کے

گیت گائے۔ ''آزادی'' کے انتظار میں اپنے متعفن لاشے کو ہلکان کردے۔

آزادی کے لیے جنگ کوئی لڑے، قربانیاں کوئی دے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو ہزیمت سے ہمکنار کوئی کرے، دشمن کو اپنی سرزمین سے کوئی بھگائے لیکن ''ٹیبل ٹاک'' کے دھنی ٹیبل پر بیٹھ کر سازشی بندر بانٹ کرلیں ۔ یہود و نصاریٰ کی اتباع میں سیکولرازم اور لبرل ازم کی بانسری بجائیں۔ جیسا آج کل افغانستان میں ہورہا ہے۔ ایک گیم کھیلی جارہی ہے۔ فساق و فجار قریبِ کفار کو مسلط کرنے کی امریکی خواہش آخری مرحلے میں ہے۔ پھر وہاں بھی آزادی ہی آزادی ہے۔ روشن خیال ''وسیع البنیاد'' بے اساس و بدنہاد جو آزادی دے سکتے ہیں۔ افغانستان کا کوئی فرزند ناہموار جو آزادی دے سکتا ہے، وہ ایک بنیاد پرست سے کیسے متوقع ہوسکتی؟ وہ آزادی اللہ کا دین نہیں دیتا۔ ایک مسلمان اس آزادی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر ایسی ہی آزادی چاہیے تھی تو وہ امریکہ و یورپ میں بھی اور غلام ہندوستان میں بھی تھی۔ اس کے لیے پاکستان الگ ریاست بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسی قوم تیار کرنا تھی تو وہ تو یہودیوں، عیسائیوں اور بدھسٹوں کے ہر ملک میں موجود تھی۔ اس کے لیے پچپن ہزار بیٹیاں، ان گنت معصوم بچے اور لاتعداد بوڑھوں کو بے گوروکفن پاکستان کے راستے میں بچھانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہاں ہاں! کیا ضرورت تھی؟

اور آزادی اس محبوس، متعفن فضا میں تھر تھر کانپتی لڑکھڑاتی، سر میں خاک ڈالتی دور خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا.....

جی نڈھال ' چشمِ نم اے سکوتِ شامِ غم
سیلِ درد پیش و پس آس پاس تیرگی
بے کنار ظلمتیں بے قیاس تیرگی

(۲۴/اگست ۱۹۹۶ء)

ماھانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

☆ دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان ☆ 28/اگست 2003ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری

دامت برکاتہم

(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

الداعی: سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان فون: 061-511961

سید یونس الحسنی

کوّے کی چونچ میں انارکلی

اب کھلے دل سے اعتراف کیا جانا چاہیے کہ مادیت پرست فلسفۂ حیات اور طرز سیاست نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ انتہائی بے ثمر اشجار کو ہم نے اپنی خوش کن توقعات کا مرکز بنا رکھا ہے۔ دیو استبداد کی نیلم پری کے فرزندان نا ہنجار انسانی گنتی کا راستہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ ''کھلنڈروں'' نے امت مرحومہ کے تمام خواب کھنڈر کر دیئے ہیں۔ ہماری ''عملیت پسندی'' کا انداز ملاحظہ فرمایئے کہ اپنی گلیوں کے تمام پیڑ اپنے ہاتھوں بے برگ و بار کرتے اور روشنی قائم رکھنے کی تگ و تاز میں مصروف گرد آلود چہروں کو دھڑلے سے نامعتبر ٹھہراتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حریفوں کی غارت گری ،رقیبوں کی ''چارہ گری'' بہت سے رفیقوں کی خودسری کا عمل دخل تو ہے لیکن اس حقیقت سے بھی کسی کو مجال انکار نہیں کہ ''صرصر'' کی برتری کا یہ روز بد خود ہمارے سیاسی و عسکری رہنمایانِ بے مرام نے دکھایا ہے۔ نتیجۃً کئی ناگفتنیاں' گفتنیاں ہو گئیں ،کم ظرفی کی انتہا کہیے یا کچھ اور کیمپ ڈیوڈ کی سحر آگیں فضا نے انہیں نظام فطرت سے بغاوت پر اکسایا تو وہ دین اسلام کی من چاہی تعبیر کرنے لگے، اس کی ''خودتراشیدہ'' اقسام گنوانے لگے۔ جدید ائمہ کفر سے ان کی مرعوبیت عجب گل کھلا رہی ہے، اپنی زبان بولنے لکھنے پڑھنے ،قومی لباس پہننے اور ملّی اقدار کی پاسداری کرنے سے وہ بے طرح گریزپا ہیں۔ چست پتلون اور نیکر ایسے بے ستر و حجاب ملبوس کا دفاع اُن کا شعار بن گیا ہے، جہاد اب انہیں بھی دہشت گردی لگ رہا ہے۔ دورہ ٔامریکہ سے عقل و خرد کے باب میں یکا یک وہ اس قدر قلاش ہو گئے ہیں کہ نور و ظلمت کی تمیز ہی چھن گئی ہے۔ دینی طبقے اُنہیں جنگلی جنونی اور جانے کیا کیا لگ رہے ہیں۔ شاید ان کا آئینہ دھند لا گیا ہے۔ ایک زمانے میں ایوب خاں کو ''ڈارلنگ'' کہا گیا پھر یحییٰ خاں کو ''سویٹ ہارٹ'' کہہ کر مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنوا دیا گیا۔ آگے چل کر مسٹر بھٹو کو ''جانِ جان'' بنا کر تختۂ دار پر کھنچوا دیا گیا۔ بعد ازاں جنرل ضیاء الحق کو ''جانِ جہاں'' کا روپ دے کر سویت روس کا دھڑن تختہ کرایا گیا اور کام نکل جانے پر اُنہیں ٹیم سمیت اڑا دیا گیا۔ اب جنرل پرویز کی باری ہے۔ مسٹر بش نے انہیں بہت سے اچھے اچھے نام دیئے ہیں مثلاً:

☆ صدر پرویز ایک ''جرأت مند'' رہنما ہیں۔

☆ امریکہ کے ''عظیم دوست'' ہیں۔

☆ دہشت گردی کے خلاف ہمارے ''بہترین پارٹنر'' ہیں۔

☆ ان کا کردار ''مثالی'' ہے۔

☆ان کے ''تصورات مثالی'' ہیں۔

مسٹر جان واکر بش بھی ''عجیب الخلقت'' افکار ونظریات کے حامل ہیں، ان کی سوچ نہایت پراسرار ہے جس کے بل بوتے پر وہ بہت سارے الفاظ کو نئے نئے معانی پہنا کر قصۂ دلِ ناصبور زباں پر لا رہے ہیں۔نکتۂ اوّل ہی دیکھ لیجئے۔ایک کڑوی کسیلی اور نوکیلی بات کس انداز سے کہہ گئے ہیں۔معلوم ہوا آج کے دور میں جو کسی کی گیدڑ بھبھکی سے تھر تھر کانپے،اس کا ''سب کچھ ڈھیلا'' ہو جائے حتیٰ کہ ایمانیات میں دراڑیں آنے لگیں اور وہ مضطرب نہ ہو، چپ چاپ ''عامل'' کے ساتھ ''معمول'' کا کھیل کھیلتا جائے، ''خود سپردگی' وطن سپردگی'' کا روپ دھار لے' پھر بھی وہ ہمہ تن مطمئن ہو کر ''مرئی ''اور ''غیر مرئی'' معاونین کے کندھوں پر بیٹھ کر مقتدر بنا رہے،اس کی ''جرأت مندی'' گویا ہر تشکیک سے بالا ہے۔

نکتہ ثانی غور طلب ہے۔امریکہ کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ وہ کسی ملک سے کبھی دوستی نہیں کرتا،عوام کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا،اس کی مفاداتی محبتوں کا محور شخصیات ہوتی ہیں۔جیسے پاکستان کا بچہ بچہ امریکی و برطانوی سامراج کا دشمن ہے لیکن صدر، وزیراعظم، کابینہ کے مخصوص افراد اور کچھ چنیدہ جرنیل مع کمانڈر انچیف ہر دو ممالک کے سب سے زیادہ پسندیدہ حضرات ہوتے ہیں۔ستم تو یہ ہے کہ جن شخصیات کے نام امریکی محبت کا ڈرامہ لکھا جاتا ہے ان کا انجام بڑا المناک ہوتا ہے۔کوئی امریکہ کا جتنا عظیم دوست ہوگا، اُسے اتنے ہی عظیم المیے سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہنا ہوگا کہ یہی مسٹر بش اور اس کے بڑوں کی منطق رہی ہے اور وہ اسی فلسفے پر عمل پیرا رہے ہیں۔مسٹر پرویز ہوشیار رہیں۔

نکتہ ثالث جزوی طور پر درست ہے۔جنرل پرویز ''دہشت گردی'' کے خلاف نہیں بلکہ اپنے ہمسائے میں ''امارت اسلامی'' کے قیام سے نفرت کے باعث مسٹر بش کے ''پارٹنر'' بنے۔ان کا لبرل وسیکولر دل ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ ''ملّا یانِ مکتبی'' حضور سرور کائنات ﷺ کے دین اسلام کو جزئیات تک ہو بہو نافذ کر کے اسلام ہی کے نام پر وجود پزیر ہونے والی سیکولر ریاست پاکستان میں یہ انقلاب انگیز روشنی برآمد کر سکیں۔تھوڑے بہت اثرات جو یہاں پہنچ چکے تھے ہماری مخصوص سیاسی ٹولیاں اور مخصوص جرنیل کریسی اُسے اپنے لگے بندھے مقاصد کے لیے شدید خطرہ تصور کرتی اور تحریک طالبان کو دشمن سمجھتی تھی۔چنانچہ ''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے'' کے راندۂ درگاہ فلسفے پر عمل پیرا ہو کر صدر پرویز نے امریکہ کی پارٹنرشپ اختیار کی، یوں بھی کولن پاول سے ملاقات کے نتیجے میں ہمارے ''رہنما'' کا دل ''پیسج'' گیا اور طالبان کی ''ظالمانہ'' پالیسیوں نے ان پر ''گریہ وزاری'' کی کیفیت طاری کر دی تھی۔پھر وہ کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔اس لیے وہ یقیناً امریکہ کے ''بہترین پارٹنر'' تھے، ہیں اور شاید آئندہ بھی رہیں گے خواہ چین سے دوستی اور پاکستان کا وجود قائم رہے نہ رہے (خاکم بدہن)

نکتہ رابع خاصا معنی خیز ہے۔مسٹر بش کے نزدیک وہ شخص ''مثالی کردار'' کا مالک ہے جو جس کشتی میں سوار ہو

اُسی میں چھید کر ڈالے۔ ہزاروں افغانوں کو کفر کے ہم قدم ہو کر تہ تیغ کرے، عراق برباد اور عراقی جاں بہ لب ہوں وہ منقار زیر پر رہے۔ امت مسلمہ کے عدوئے ازلی اسرائیل کو سند جواز فراہم کرنے کی فکر کرے، بیت المقدس کی بے حرمتی پر چپ سادھ لے، کشمیر کی تحریکِ حریت کو روکے، تقسیم کشمیر پر راضی ہو جائے، اپنے ملک میں دینی طبقات کی تذلیل کرے، دجال قادیاں کی امت کو تحفظ دے، اپنے ملک کی بجائے امریکی سلامتی واستحکام کے لیے کام کرے اور تین ارب ڈالر کے مشروط پیکج پر بغلیں بجاتا پھرے۔ ایسے شخص کے لیے صدر امریکہ کو یہی کہنا چاہیے تھا کہ ''ان کا کردار مثالی ہے''۔

نکتہ آخر واقعتہً تصوراتی ہے۔ جو شخص مسلمان ہونے کا مدعی ہو مگر آئیڈیل ایک فری میسنری آدمی مصطفیٰ کمال کو بنائے۔ دین رسول ﷺ کو قدامت ورجعت کی گالی بکے اور پروگریسو اسلام کی اصطلاح ایجاد کرے، خود فروشی، قوم فروشی اور وطن فروشی کو ترقی کی معراج سمجھے، شریعت کے نام سے بُری طرح بدکے، علماء پر گرجے، برسے، بلکہ گندا گلے، عوام کی ایک نہ سنے، من موجیاں کرتا پھرے، ایٹمی پروگرام خفیہ طور پر منجمد کردے، جہاں چڑیا پر نہ مار سکے وہاں مشکوک لوگوں کو گھسیڑے، دشمن دین وملت قادیانیوں کے جنازے پڑھے، اُنہیں کلیدی اور حساس عہدوں پر متمکن کرے، اپنی تہذیب سے دست بردار ہو کر تمدن مغرب کو ترقی یافتہ قرار دے اور اسے اپنانے کی دعوت دے۔ اس کے تصورات بقول بش ''مثالی'' ہی ہیں۔ اب تو دینی مدارس کے نصاب میں بھی سیکولرازم کا چٹخارہ شامل کرنے کی نامشکور سعی کی جارہی ہے۔ یہ عمل بھی اپنی مثال آپ کے مترادف ہوگا۔

مسٹر بش کے ان ریمارکس پر تبصرہ کرتے ہوئے عالمی میڈیا نے بھی کمال ہی کر دیا۔ بی بی سی، اے ایف پی اور وی او جی کے مبصرین نے بالاتفاق ایک ہی بات کہی اور بار بار کہی کہ ''جنرل پرویز کے دورۂ امریکہ و یورپ کے اختتام پر جنرل مذکور کو تو دس کے دس نمبر ملے، جبکہ ان کے ملک پاکستان کو صرف چار نمبر ملے''۔ قارئین اسی سے اندازہ کرلیں کہ دورے کی کامیابی کا تناسب کیا رہا ہے۔ مگر جنرل پرویز کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ تو اینٹھتے پھرتے ہیں کہ ''میرا دورہ انتہائی کامیاب رہا' ہمیں تاریخی کامیابی ملی حتیٰ کہ میں خالی ہاتھ نہیں بلکہ تین ارب ڈالر کا امدادی وعدہ بھی لے کے آیا ہوں، مجھ سے پہلے کسی کو یہ کامرانی نہیں ملی''، راقم کا خیال ہے یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں، نمبر صرف جنرل صاحب کو ملے، کامیابی بھی انہی کو میسر آئی، قوم تو جہاں تھی وہیں ہے۔ جنرل صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں دیکھو میں کیسا لگتا ہوں، کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے۔ ایک ضرب المثل یاد آ گئی جو جنرل پرویز کی اس خود پرستانہ کیفیت پر پوری طرح فِٹ بیٹھتی ہے۔ ۔

''کوے کی چونچ میں انار کلی
کوا ڈولے گلی گلی''

یعنی: کوے کو انار کلی سے تو کچھ سروکار نہیں وہ تو صرف یہ دکھاتا پھرتا ہے میں کیسا لگتا ہوں۔

مولانا زاہدالراشدی

فلسطینی وزیراعظم اور بہائی فرقہ

فلسطین کی آزادی اور فلسطینیوں کے لیے الگ ریاست کے قیام کے لیے کم وبیش ۳۵ برس سے مسلسل جدوجہد کرنے والے لیڈر یاسر عرفات کو منظر سے ہٹا کر محمود عباس کو سامنے لایا گیا ہے اور اب امریکہ اور اسرائیل فلسطین کے مستقبل کے حوالہ سے کم وبیش سارے معاملات محمود عباس سے طے کر رہے ہیں۔ قارئین کو یہ بات یاد ہوگی کہ یاسر عرفات کو پس منظر میں لے جانے اور محمود عباس کو فلسطین اتھارٹی کا وزیراعظم بنوانے میں سب سے زیادہ دلچسپی امریکہ نے لی تھی اور اسی کے دباؤ پر محمود عباس کو فلسطین کا وزیراعظم نامزد کر کے یاسر عرفات منظر سے ہٹ گئے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ محمود عباس کی آخر کیا خصوصیت ہے کہ اس فیصلہ کن مرحلے میں فلسطینی معاملات کا کار مختار بنا دیا گیا ہے اور فلسطین کے مستقبل کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دینے کے لیے امریکہ کو اس قدر دباؤ ڈالنا پڑا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ عالمی استعمار کی تکنیک یہی ہے کہ کسی بھی ملک یا قوم سے اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق معاملات طے کرنے کے لیے پہلے اس ملک میں اپنی مرضی کا آدمی برسر اقتدار لایا جائے اور پھر اسے تحفظ فراہم کر کے اس کے ذریعہ تمام معاملات طے کر لئے جائیں۔ ہم خود پاکستان میں اسی طریق واردات کا شکار ہیں لیکن اس کے باوجود محمود عباس کی ذات اور شخصیت کے حوالہ سے بات ذہن میں صاف نہیں ہو رہی تھی۔ خدا بھلا کرے جماعت اسلامی پاکستان کے ڈائریکٹر امور خارجہ جناب عبدالغفار عزیز کا کہ انہوں نے ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' لاہور کے جولائی کے شمارہ میں اپنے ایک مضمون میں یہ انکشاف کر کے میری یہ الجھن دور کر دی ہے کہ یہ مرزا محمود عباس صاحب بہائی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں امریکہ اور اسرائیل نے فلسطین کے مستقبل کے معاملات طے کرنے کے لیے ''قابل اعتماد فلسطینی لیڈر'' کا درجہ دیا ہے۔

بہائی فرقہ کا اصل سرچشمہ ایران ہے، جہاں انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں مرزا محمد علی نامی ایک صاحب نے دعویٰ کیا کہ اہل تشیع کا امامیہ فرقہ اپنے بارہ اماموں میں سے جس آخری امام کو ''امام غائب'' سمجھتا ہے اور ان کے دوبارہ آنے کا منتظر ہے۔ اس امام غائب کے ساتھ مرزا محمد کا رابطہ قائم ہو گیا ہے اور مرزا محمد علی کو امام غائب کے ساتھ رابطہ کے لیے ''باب'' کا مقام مل گیا ہے۔ اسی وجہ سے انہیں محمد علی الباب کہا جاتا ہے اور اس فرقہ کو ان کی نسبت سے ''بابی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مرزا محمد علی باب نے اس دعویٰ کے بعد ایک نئے دین کا تصور پیش کیا اور بتایا کہ اب دنیا کی نجات ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔ مرزا محمد علی باب کے خلاف ایران کے شیعہ علماء نے سخت ردعمل کا اظہار کیا اور بالآخر انہیں مقدمہ چلا کر تبریز چھاؤنی میں سزائے موت دے دی گئی۔ مرزا محمد علی باب کے بعد ان کے مشن کو ان کے ایک ہوشیار شاگرد مرزا بہاء اللہ شیرازی نے

آ گے بڑھایا اور یہ تاثر دیا کہ مرزا محمد علی باب صرف ان کی بشارت دینے اور ان کی راہ ہموار کرنے کے لیے آئے تھے۔ دنیا کے اصل ہادی وہ ہیں، ان پر وحی آتی ہے۔ وہ نبوت کے منصب پر فائز ہیں اور پہلے تمام ادیان' اسلام سمیت منسوخ ہو کر اب ان کے نئے مذہب بہائی میں ضم ہو چکے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیثیت (معاذ اللہ) نہروں کی ہے اور مرزا بہاء اللہ شیرازی اس دریا کی مانند ہے جس میں ساری نہریں آ کر ضم ہو جاتی ہیں اور اپنا الگ تشخص کھو دیتی ہیں۔ مرزا بہاء اللہ نے قرآن کریم کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا اور کہا کہ اب اس وحی الٰہی کو فائنل اتھارٹی کا درجہ حاصل ہے جو اِن پر ''الواح مقدسہ'' کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔ بیت اللہ کی بجائے فلسطین کے شہر ''عکا'' کو نیا قبلہ قرار دیا گیا اور وحدت ادیان کا تصور پیش کیا گیا۔ راقم الحروف نے کچھ عرصہ قبل حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ہمراہ شکاگو میں بہائیوں کی ایک عبادت گاہ دیکھی تھی۔ اس کے ایک وسیع ہال میں مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور سکھوں کے لیے عبادت کی الگ الگ جگہیں بنائی گئی ہیں اور سب کی مذہبی کتابیں مہیا کی گئی ہیں۔ بہائیوں نے ایک الگ کیلنڈر بھی ترتیب دیا جس میں ہر ماہ کے ۱۹ دن ہیں اور سال بھی ۱۹ ماہ کا ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک ۱۹ عدد کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دور میں ۱۹ عدد کے حوالہ سے قرآن کریم کا اعجاز دنیا کے کے سامنے پیش کرنے اور پھر اسی حوالہ سے قرآن کریم کی بعض آیات اور احادیث مبارکہ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مہم چلی تھی تو کچھ عرصہ یہ مہم چلنے کے بعد واضح ہوا کہ اس کے پیچھے بہائیوں کا فلسفہ فکر کام کر رہا تھا۔

مرزا بہاء اللہ شیرازی کو بھی ایران کے شیعہ علما کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا' جس کی وجہ سے پہلے وہ ترکی گئے تا کہ خلافت عثمانیہ اور ایران کے درمیان پرانی مخاصمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے جگہ بنا سکیں لیکن یہ بات زیادہ دیر نہ چل سکی اور بالآخر فلسطین کے شہر ''عکا'' کو انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا' جہاں ان کی وفات ہوئی اور اس کے بعد ان کے فرزند مرزا عبدالبہاء نے بہائیوں کی قیادت سنبھال لی۔ بہائیوں کے بارے میں مورخین اور تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ انہیں اسی طرح روسی بادشاہت کی پشت پناہی حاصل تھی جیسے ہمارے ہاں قادیانیوں کو انگریزی حکومت نے پروان چڑھایا تھا اور ایران میں روسی مفادات کے لیے بہائی اسی طرح کام کرتے رہے جیسے ہمارے ہاں قادیانیوں نے برطانوی استعمار کی مسلسل خدمات سرانجام دیں اور اب امریکی استعمار کے لیے کام کر رہے ہیں۔

ایران کے مذہبی انقلاب سے قبل بادشاہت کے دور میں بہائیوں نے ایران کی فوج اور سول میں خاصا اثر ورسوخ حاصل کر لیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ ایرانی معاملات کا اصل کنٹرول بہائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ سابق ایرانی وزیر اعظم امیر عباس ہویا سمیت بہت سے سرکردہ لوگوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ بہائی تھے۔ اس لیے ایران کے مذہبی انقلاب کے بعد نئی حکومت کے عتاب کا نشانہ سب سے زیادہ وہی بنے اور مشہور ہے کہ انقلاب کی مخالفت کے جرم میں جن لوگوں کو موت کی

سزا دی گئی ان میں زیادہ تعداد بہائی افسران کی تھی۔قادیانیوں کی طرح بہائی بھی دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں اور ان کے بڑے بڑے مراکز قائم ہیں۔کہا جاتا ہے کہ جنوبی ایشیا میں ان کا سب سے بڑا مرکز دہلی میں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

ایران کے مذہبی انقلاب کے بعد پاکستان میں بھی ان کی خاصی تعداد آئی ہے اور مختلف شہروں میں آباد ہوئی ہے ۔کراچی،اسلام آباد،لاہور،ملتان،حیدرآباد اور سیالکوٹ سمیت درجنوں بڑے شہروں میں ان کے مراکز موجود ہیں اور مختلف حوالوں سے ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔قادیانیوں کے ساتھ ان کی مناظرانہ اور معاصرانہ چشمک جاری رہتی ہے۔دونوں ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ لکھتے رہتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول اور حضرت امام مہدیؒ کے ظہور کے بارے میں جناب نبی اکرم ﷺ کے ارشادات اور پیش گوئیوں کو دونوں فریق اپنے اپنے معانی پہنا کر خود ساختہ تاویلات کے ساتھ مرزا بہاء اللہ شیرازی یا مرزا غلام احمد قادیانی پر فٹ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ان کی یہ باہمی بحثیں مناظرانہ ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے خاصی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔فلسطین کے نئے لیڈر کے طور پر ایک بہائی مرزا محمود عباس کے چناؤ سے جہاں یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اب فلسطین میں وہی کچھ ہوگا جو امریکہ اور اسرائیل چاہیں گے۔وہاں ایک پہلو یہ بھی سامنے آیا ہے کہ فلسطینی مسلمانوں میں کوئی شخص اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ امریکہ اور اسرائیل اپنے مفادات کے حوالہ سے اس پر کسی درجہ میں بھی اعتماد کر سکیں۔حتیٰ کہ یاسر عرفات نے جس طرح امریکہ کو راضی رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا وہ غریب بھی کھڈے لائن لگا دیا گیا ہے۔میرے نزدیک یہ بات ''ڈس کریڈٹ'' کی نہیں بلکہ ''کریڈٹ'' کی ہے کہ امریکہ کسی مسلمان کو اعتماد کے قابل نہیں سمجھ رہا اور اسے اپنا کام چلانے کے لیے اسلام سے منحرف ہو جانے والے گروہوں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔عراق میں بھی اسی طرح کی صورت حال ہے کہ کوئی عراقی لیڈر اس حد تک آگے جانے کو تیار دکھائی نہیں دیتا۔جہاں تک امریکہ عراق کو آگے لے جانا چاہتا ہے اور افغانستان میں بھی تمام تر جبر و تشدد اور قتل و غارت کے باوجود امریکہ اپنی مرضی کا نظام افغانوں پر مسلط کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا۔اس لیے کہ کرزئی حکومت کی طرف افغانستان کے نئے دستور کا جو خاکہ منظر عام پر آیا ہے اس میں اسلام کو ملک کا سپریم لاء قرار دینے اور تمام شرعی قوانین کے مکمل نفاذ کی ضمانت پر نئے دستوری ڈھانچے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔البتہ پاکستان کی صورت حال ابھی واضح نہیں ہو رہی۔قادیانی گروہ کے آنجہانی سربراہ مرزا طاہر احمد نے تین سال قبل کہا تھا کہ پاکستان میں اب ہماری حکومت آنے والی ہے۔یقیناً اس کی کوئی پلاننگ موجود ہوگی اور چونکہ امریکہ بہادر کے ایجنڈے میں فلسطین کے بعد کشمیر کی باری ہے اور کہا جا رہا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لیے کئی متبادل روڈ میپ زیر غور ہیں۔اس لیے لازماً یہاں بھی کسی مرزا محمود عباس کی ضرورت پیش آئے گی۔اب معلوم نہیں کہ ہمارے موجودہ حکمران ہی مرزا محمد عباس بننے کے لیے تیار ہو گئے ہیں یا انہیں یاسر عرفات کا ''پروٹوکول'' دے کر پردۂ غیب سے کوئی اور مرزا محمود عباس نمودار ہونے والا ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

مولانا اشہد رفیق ندوی

دینی مدارس.....تحفظ وارتقاء کی چند تدابیر

ساری دنیا میں دینی مدارس کی تعلیم وتعلّم موضوع بحث ہے۔۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی عمارتوں پر حملے کے بعد سے ذرائع ابلاغ پر خاص طور پر یہ موضوع چھایا ہوا ہے۔امریکہ کی سراغ رساں ایجنسیاں اور یہود ذرائع ابلاغ دنیا کو یہ باور کرانے میں مصروف ہیں کہ دینی مدارس ہی دہشت گردی کا بنیادی سرچشمہ ہیں۔ان اداروں میں تعلیم وتعلّم کے جو ماخذ ہیں وہ مذہبی منافرت کو فروغ دینے میں اور یہاں کا نظام تربیت تنگ نظری ،ہٹ دھرمی اور رجعت پسندی کو مہمیز کرتا ہے۔مغربی حکمرانوں کی سیاسی بالادستی اور معاشی وتہذیبی دبدبہ کی وجہ سے دنیا کی بہت سی اقوام وتحریکات نے ان الزامات کو من وعن تسلیم کرلیا ہے۔حدتو یہ ہے کہ پاکستان اور ترکی جیسے مسلم ممالک بھی دام فریب میں آ گئے ہیں اور یہ ممالک بھی دینی مدارس میں دہشت گردانہ عناصر کی تلاش میں لگ گئے ہیں۔ہندوستان کی فسطائی قوتوں کو اس صورتِ حال سے کافی فائدہ پہنچا۔راشٹر یہ سویم سیوک سنھگ (آر۔ایس۔ایس) نے مذہبی بغض وعناد کی بنیاد پر اسلام اور اسلامی اداروں کے خلاف جو شوشے چھوڑے تھے‘حسن اتفاق سے اسے عالمی سطح پر پذیرائی حاصل ہوگئی ہے۔چنانچہ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس نے دینی مدارس کے خلاف ایک بار پھر پوری طرح کمر کس لی۔ان کے لیے اس سے زیادہ مناسب وقت کیا ہوسکتا تھا جبکہ رائے عامہ ان کے حق میں ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کی زمام اقتدار بھی ان کے تربیت یافتہ افراد کے ہاتھ میں ہو۔چنانچہ انہوں نے چوطرفہ حملہ شروع کردیا۔ہندوستان کی انتہا پسند جماعتیں تنظیمی سطح پر دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں۔انہوں نے ساری توانائی فضا کو مسموم کرنے میں لگادی ہے۔حکومتِ ہند کے لائق وفائق وزراء کا ایک گروپ انہیں ملکی سلامتی کے لیے خطرہ بتارہا ہے۔کئی ریاستی حکومتوں نے مدارس پر خصوصی نظر رکھنے کے لیے ٹاسک فورس قائم کردی ہے۔سرحدی علاقوں کی ضلعی انتظامیہ ارباب مدارس کا جینا دوبھر کئے ہوئے ہے۔متعدد مدارس کے طلبہ اور اہل کار سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیئے گئے ہیں۔ہندوستان کے نمائندہ مدارس خاص ہدف ہیں اور اب ہر روز دارالعلوم دیوبند کی تالہ بندی کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

ان الزامات اور اقدامات کا اگر حدیث پاک کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو یہ ''اسلام'' کے خلاف ''کفر'' کا ایکہ معلوم ہوتا ہے۔اسلام کی روزافزوں مقبولیت اور بڑھتی ہوئی افرادی قوت سے سب گھبرارہے ہیں۔امریکہ بہادر ''انا ربکم الاعلیٰ'' کا اعلان کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام کو سمجھتا ہے۔اس نے نئے عالمی نظام (New World Order) کا جو خواب آنکھوں میں سجارکھا ہے‘اب اس کی راہ میں صرف اور صرف اسلام ہی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔اس لیے

اس نے عالم اسلام کو کمزور کرنے کے لیے ان سرچشموں کو ہی بند کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔جن سے اسلام کی آبیاری ہورہی ہے۔عالمی منظرنامے سے ہٹ کر اگر ہندوستان کے تناظر میں اس کے مقاصد تلاش کئے جائیں تو یہاں بھی مقصد میں پوری طرح ہم آہنگی نظر آئے گی۔سنگھ پریوار نے ''ہندوتو'' کے پرچار کے لیے ۷۵ برس سے زیادہ کوششیں کرلیں، نہ تو اسے عوامی مقبولیت نصیب ہوسکی اور نہ ہی اقتدار کی کرسی قریب آتی دکھائی دی۔تب انہوں نے نہایت باریک بینی اور عیاری کے ساتھ اپنے نظریہ وفکر کی راہ میں حائل عناصر کو تلاش کیا اور ان کو راہ سے ہٹانے کی تدابیر سوچیں۔ان کا مذہب ،تہذیب اور سماجی معاملات بجائے خود اتنے گنجلک تھے کہ ان کی تبلیغ واشاعت خود ان کی بنیادوں کو کمزور کئے دے رہے تھے۔منووادی نظام کے مظالم سے تنگ آکر دلتوں اور اچھوتوں کا ایک طبقہ برسرعام باغی ہوچکا تھا۔اس لیے انہوں نے نہایت سوچی سمجھی سازش کے تحت اپنی تمام تر کاوشوں کا رخ دینی مدارس، دینی ادارے اور دینی تحریکات کی طرف پھیر دیا اور اب ان کا مطالبہ دینی مدارس کی مکمل تالہ بندی ہے اور اس سے کم کچھ بھی نہیں۔دینی مدارس کو درپیش خطرات کی یہ تو محض ایک جھلک ہے جو اخبارات کی سرخیوں میں دکھائی دے رہی ہے' پس پردہ کیا کچھ ہورہا ہوگا' اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

صورتِ حال کی سنگینی سے کسے انکار ہوسکتا ہے؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے تدارک کے لیے اب تک کیا اقدامات کئے گئے ہیں۔ذرائع ابلاغ میں جن اقدامات کا تذکرہ آیا ہے' ان میں دیوبند، مونگیر اور دہلی جیسے چند مقامات پر عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہوئیں' جن میں زوردار تقریریں ہوئیں اور دینی مدارس کی ہر قیمت پر تحفظ کی یقین دہانی کرائی گئی۔چند اخبارات ورسائل نے خصوصی نمبر اور ضمیمے شائع کئے۔کچھ اہل قلم نے اپنے قیمتی فکر وخیال کو قلم بند کیا اور انفرادی طور پر اخبارات ورسائل میں شائع کرا کے اپنا فرض ادا کیا۔بڑی مسلم جماعتوں اور تحریکوں نے قراردادیں منظور کیں لیکن یہ سب کاوشیں عام طور سے مسلمانوں کے درمیان ہوئیں اور اردو زبان میں ہوئی ہیں۔ظاہر ہے مسئلہ کی سنگینی کے لحاظ سے محض اتنی کوششیں کافی نہیں ہیں۔ایک طرف حکومت کی طاقت ہے، ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد پر مشتمل مسموم ومشتعل ذہن ہے ،زبردست قوت والا گمراہ کن میڈیا ہے اور دوسری طرف چند تقاریر، چند مقالات ، چند قراردادیں ،ڈھیر ساری دعائیں اور بس۔ہماری ان دفاعی کوششوں کی حیثیت جاں بلب مریض کے لیے آکسیجن سے زیادہ نہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ آکسیجن فراہم کرکے ہم جان بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔اب ضرورت ہے کہ ایک بیدار مغز اور ماہر ڈاکٹر کی طرح مرض کی مکمل تشخیص کی جائے اور اس کا اس طرح علاج کیا جائے جیسا کہ مرض کا تقاضا ہے۔زندہ قومیں حالات اور تاریخ دونوں سے سبق سیکھتی ہیں۔بزدلی، پژمردگی اور فکری پستی قوموں کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔

پاسباں آنکھیں ملے' انگڑائی لے آواز دے
اتنے عرصے میں تو اپنا کام کرجاتی ہے آگ

اس لیے فوری طور پر پوری قوم کو خواب غفلت سے بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ خطرات کے رخ کو بھانپنے کی ضرورت ہے اور مومنانہ عزیمت وفراست کو کام میں لاکر ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ جمعیت العلماء ہند نے اس ضرورت کا ادراک کیا ہے۔ ملت اسلامیہ کے تمام سربرآوردہ لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا ہے۔ آج کی تاریخ ان شاء اللہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے لیے سنگ میل ثابت ہوگی۔ اس عظیم الشان اجلاس کے موقع پر ملت کے ارباب بصیرت کے سامنے چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔ یہ چند سنجیدہ ذہنوں کی سوچ ہے۔ شاید اس موقع پر کچھ کام آجائیں۔

ایک دفاعی بورڈ کا قیام

اس وقت کفر متحد ہے اور ملتِ اسلامیہ ریزہ ریزہ ہے۔ ساری اسلامی دشمن قوتیں دینی مدارس کے خلاف متحد ہیں اور صبح وشام توحید کی تعلیم دینے والے ادارے اپنے جزوی اختلافات کی وجہ سے بالکل منتشر ہیں اور الگ الگ دفاع میں لگی ہوئی ہیں۔ اتحاد کی قوت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود اتحاد کی لذت سے ناآشنا ہیں۔ اس وقت سب سے پہلی اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ملکی سطح پر ایک مضبوط وفاق تشکیل دیا جائے جو دینی مدارس کے تعلق سے تمام امور کی نگرانی ورہنمائی کرے۔ یہ دفاعی نظام آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے طرز پر ہو جس میں ملت اسلامیہ کے ہر طبقہ، ہر جماعت، ہر مسلک اور ہر فکر وفن کے لوگوں کی مناسب نمائندگی ہو اور سب لوگ مل بیٹھ کر ایک قلیل المیعاد اور ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی کریں اور فہم وفراست کے ساتھ آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کی تیاری کریں۔

دستاویزی تیاری

ہمارا یہ وفاقی نظام سب سے پہلے ایک جامع ومبسوط دستاویز تیار کرے جس میں مدارس کے خلاف تمام الزامات کا احاطہ کیا گیا ہو پھر ان کا حقائق کی روشنی میں مدلل ومسکت جواب تیار کیا جائے۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ دشمن نے بہت پہلے سے دستاویزی تیاری کر لی ہے۔ اس نے دینی مدارس کے خلاف غیر معمولی ذخیرہ جمع کر لیا ہے، کبھی اسے مدارس کے نصاب میں بنیاد پرستی، فرقہ واریت اور غیر مسلم اقوام سے بغض ونفرت کی بو محسوس ہوتی ہے تو کبھی وہ نظام تربیت کو دہشت گردانہ تربیت سے تعبیر کرتے ہیں، کبھی نظام مالیات پر پٹرول کا سایہ نظر آتا ہے تو کبھی بلند وبالا عمارتوں کی بُرجیں ان کی آنکھوں میں چبھنے لگتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ''حی علی الفلاح'' (آؤ کامیابی کی طرف) جیسی مفید وموثر پکار بھی ان کے کانوں کو گراں گزرتی ہے۔ گویا مختلف پہلوؤں پر انہوں نے کافی مواد جمع کر لیا ہے اور جب جیسی ضرورت پڑتی ہے اسے استعمال میں لاتے ہیں۔ اس وقت اس بات کی بڑی شدید ضرورت ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی طرف سے بھی اسی طرح ہر محاذ پر زبردست دستاویزی تیاری ہو۔ ہر اعتراض کا تجزیہ اور جواب تیار ہو۔

الحمدللہ دینی مدارس کی تاریخ بہت تابناک ہے۔ جنگِ آزادی سے لے کر آج تک ہر محاذ پر مدارس کے ہر ایک کارنامے نے ملک کی شان وعظمت میں اضافہ کیا ہے۔ ان کا تعلیمی نظام ونصاب ملکی قوانین کے عین مطابق ہے۔ حکومت کی وزارت خزانہ کو کسی طرح گراں بار کئے بغیر ہر سال لاکھوں طلبہ کو علم وفن سے مالا مال کر رہے ہیں۔ دہشت گردی کا مدارس پر الزام ہے مگر دنیا میں جتنے نام ور دہشت گرد ہیں ان میں مدرسہ کا فارغ و پروردہ ایک بھی نہیں ہے۔ قومی یکجہتی اور ملکی سلامتی کو چیلنج کرنے والے حکومت کی نگاہ میں جو ہسٹری شیٹر ہیں ان میں بھی کوئی فارغِ مدرسہ نہ ہوگا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ تمام تر پارسائی کے باوجود اپنی پارسائی کے ثبوت میں ہمارے پاس کوئی دستاویز نہیں ہے۔ چور کوتوال کو ڈانٹ رہا ہے اور کوتوال شرمسار ہو رہا ہے، یہاں شرمساری کی ضرورت نہیں بلکہ دلائل کی روشنی میں اپنا وزن محسوس کروانے کی ضرورت ہے۔ اس لیے سب سے پہلے دستاویزی محاذ پر مضبوط ہونے کی ضرورت ہے۔ دستاویز کی جنگ دستاویز کے ذریعہ ہی جیتی جاسکتی ہے، محض تقاریر اور تردیدی بیانات سے ہماری پارسائی ہرگز ثابت نہ ہوسکے گی۔

رابطہ مہم

امت مسلمہ پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ ملت کے خول میں سکڑ کر رہ گئی ہے۔ ہمارے روابط آپس میں بھی کافی کمزور ہیں اور غیر مسلم اقوام سے نہیں کے برابر ہیں۔ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ بااثر افراد پر مشتمل ایک ایسا گروپ تشکیل دیا جائے جو ملک کے دانشور طبقہ (Inteligentia) سے اپنا رابطہ مضبوط کرے اور زوردار انداز میں ان کے سامنے اپنا موقف رکھے اور انہیں اپنا ہم نوا بنائے۔

ہماری یہ رابطہ مہم انفرادی ملاقاتوں اور خصوصی نشستوں سے لے کر عوامی پروگراموں تک محیط ہوسکتی ہے۔ اس مہم کے ذریعہ قومی اقلیتی کمیشن، حقوق انسانی کمیشن اور سیکولر سیاسی قائدین کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا جاسکتا ہے اور ان کے فرائض منصبی کو یاد دلایا جاسکتا ہے۔ اگر ہم ان کے اذہان کو مسخر کرنے میں کامیاب ہوگئے تو اس جنگ کو کافی تقویت مل سکتی ہے۔ عوامی زندگی کے ان موثر اداروں کو چھوڑ کر تن تنہا اس جنگ کو جیتنا آسان نہ ہوگا۔ یہ پلیٹ فارم ان حضرات سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جو ہمارے خلاف برسرپیکار ہیں۔ انہیں ڈائیلاگ کی دعوت دی جائے۔ قریب سے ان کے اعتراضات واحساسات کو سنا جائے، انہیں حقائق سے آگاہ کرکے ان کے اذہان کو صاف کرنے/مسخر کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہمارا یہ گروپ براہِ راست وزارتِ داخلہ اور وزارت فروغ انسانی وسائل سے بھی دوبدو ہوسکتا ہے کیونکہ یہ شکوک وشبہات انہی کے پیدا کردہ ہیں۔ ہائی کلاس کے افسران بالعموم معاملات میں سنجیدہ ہوتے ہیں۔ مخالف گروپ کے دلائل کو بھی غور سے سنتے ہیں۔ ان افسران سے براہِ راست خدشات کے اسباب معلوم کئے جاسکتے ہیں اور ان کے ازالہ کی

کوشش کی جاسکتی ہے۔اس سے اگر ہم ان کے اذہان کو مسخر کرنے میں بالکلیہ کامیاب نہ ہوں تب بھی اس کی زہرناکی بہرحال کم کی جاسکتی ہے۔

میڈیا واچ سیل

دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور عوام کے ذہنوں کو مسموم کرنے میں سب سے اہم کردار ذرائع ابلاغ کا ہے۔ذرائع ابلاغ کو مثبت مواد مشکل سے ہی مل پاتا ہے جبکہ منفی مواد کی ان کے پاس بھرمار ہے۔وقت کی ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ذرائع ابلاغ پر نظر رکھنے اور ان کا تعاون کرنے کے لیے ایک سیل قائم کیا جائے جو اس محاذ کو مضبوطی کے ساتھ سنبھالے اور اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ پر جو مواد آرہا ہے اس کا بروقت تجزیہ کرے۔اگر مواد تعمیری اور مثبت ہو تو اس کی تشہیر کرے اور اگر منفی ہو تو فوراً اس کا نوٹس لے اور دلائل کے ذریعے اس کی تردید کرے۔اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ذرائع ابلاغ زمانہ کی سب سے مؤثر قوت ہیں۔آج کل ساری جنگیں اسی محاذ پر لڑی جارہی ہیں؛ جن کے پاس قدرت ہے وہ اپنی غلط بات کو بھی منوانے میں کامیاب ہورہے ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ مسلمانوں کے پاس اپنا کوئی مؤثر ذریعۂ ابلاغ نہیں ہے۔اس وجہ سے بھی بسا اوقات ہمارے مسائل دب کر رہ جاتے ہیں اور ہمارے خلاف پروپیگنڈا کو بہت جلد مقبولیت حاصل ہوجاتی ہے۔مگر سانحہ گجرات کے بعد ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ نے مظلوموں کی فریاد جس مؤثر انداز میں عوام تک پہنچادی ہے اور عراق کے خلاف امریکہ کے جارحانہ عزائم کا جتنا اچھا کوریج مل رہا ہے اگر ہمارا اپنا ذریعۂ ابلاغ بھی ہوتا تو شاید اتنا مؤثر ابلاغ نہ کرپاتے۔اس لیے ذرائع ابلاغ سے وابستہ تمام افراد کو اپنا دشمن سمجھنے کے بجائے‘ان سے رابطہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ان کے ساتھ تعاون کی ضرورت ہے۔اور ان کے منہ میں اپنی زبان ڈال کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ان شاءاللہ اس محاذ پر بھی زبردست کامیابی ملنے کی توقع ہے۔

قانونی چارہ جوئی

دینی مدارس کے خلاف جو واویلا مچایا جارہا ہے‘یہ آزادی اظہارِ خیال کا بے جا استعمال ہے۔اس کا نوٹس لینے کی سخت ضرورت ہے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ماہرین قانون سے اس سلسلے میں مشاورت کی جائے کہ جو لوگ دینی مدارس کی تاریخ اور عظیم الشان کارناموں کو مسخ کررہے ہیں اور ملک وملت کے تئیں ہماری جو تعمیری خدمات ہیں ان کو مشکوک بنارہے ہیں ‘ان کے خلاف عدالت عالیہ میں رٹ پٹیشن داخل کی جائے۔ملک کی روز افزوں بگڑتی ہوئی اخلاقی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عدالت عظمیٰ کے معاملات اب بھی بسا غنیمت ہیں۔کئی معاملات میں امتِ مسلمہ کو یہاں سے راحت مل چکی ہے۔اس لیے اس اہم جمہوری ستون کا سہارا لینے پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

ویب سائٹ کا قیام

موجودہ زمانہ کا سب سے زیادہ مؤثر اور سستا ذریعہ ابلاغ انٹرنیٹ ہے۔ لمحے میں دنیا بھر کے کسی گوشے سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں اور بھیجی جاسکتی ہیں۔ امتِ مسلمہ کی وسائل کی کمیابی کو دیکھتے ہوئے اس ذریعہ کا سہارا لینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اگر دینی مدارس کے متعلق ایک مرکزی ویب سائٹ قائم کردیا جائے جس میں تمام مدارس کا تعارف، نصاب تعلیم، اہم کارنامے وسوالات کے جوابات کا اہتمام کیا جائے تو ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوجائے گی۔

دعوتی پہلو کو نمایاں کیا جائے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینی مدارس کے قیام کا ایک بڑا مقصد تحفظ دین اور دعوتِ دین ہے۔ دعوت کا پہلو ہمارے نظام میں دبا دبا سا ہے اور اگر کبھی فعال ہوتا ہے تو عام طور سے اس کا مخاطب مسلمان ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دعوتِ اسلام کا دروازہ ہر خاص و عام کے لیے کھول دیا جائے اور اسلام کے شیریں پیغام سے سب کو سرشار کیا جائے۔ شعبۂ دعوت کے متحرک ہونے سے اسلام کی پرامن تعلیمات، صحیح تصورات زندگی، احترام انسانیت اور اسلام کا نظام اخلاقیات سب کے سامنے آئے گا جو بلاشبہ بہت پرکشش اور دلوں کو جیتنے والا ہے۔ دینی مدارس کے اہم ثقافتی پروگرام، سالانہ جلسوں، کھیل کود کے مقابلے اور یوم جمہوریہ اور یوم آزادی کے پروگراموں میں خاص طور سے سرکاری اہل کاروں کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ مدارس کی بارونق فضا، نظم وضبط اور طلبہ کی صلاحیتوں کو غور سے دیکھیں اور اپنے مسموم ذہنوں کو صاف کرسکیں۔ جن مدارس نے اس کا تجربہ کیا ہے ان کے یہاں مثبت اور خوشگوار نتائج سامنے آئے ہیں۔

مدارس کے نظام ونصاب کا تنقیدی جائزہ

دینی مدارس کے نظام ونصاب پر بھی غور وفکر کی ضرورت ہے۔ زندہ قومیں اپنے نظام تعلیم کو چست و درست رکھنے کے لیے حالات وضروریات کے لحاظ سے برابر تبدیلیاں کرتی رہتی ہیں۔ اس بات پر گہرے غور وفکر کی ضرورت ہے کہ آیا ہمارے مدارس کا نظام ونصاب زمانہ کی ضروریات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اگر نہیں تو اس میں بھی مثبت تبدیلیوں کی طرف قدم بڑھایا جاسکتا ہے۔ یہ تبدیلیاں مدارس اپنے معیار میں اضافہ کرنے کے لیے کریں گے تو اس سے قوم کو فائدہ پہنچے گا اور کوئی اسے دشمنوں کے سامنے پسپائی پر ہرگز محمول نہیں کرے گا۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''دارالعلوم''۔ دیوبند، انڈیا۔ جون ۲۰۰۳ء)

☆.....☆.....☆

جنرل (ر) حمید گل

پاک فوج امریکی ڈھال کیوں؟

۱۹۹۳ء میں امریکی' صومالیہ بری نیت سے گئے تھے۔اصل مقصد سوڈان کو تقسیم کر کے تیل سے مالا مال جنوبی سوڈان کو عیسائیوں کے تسلط میں دینا اور اسرائیل کے تحفظ کے لیے بحیرۂ احمر کے مغربی کنارے پر واقع ارٹیریا میں یہودی نواز حکومت کا قیام تھا لیکن بہانہ صومالیہ کے فاقہ زدہ بچوں کو خوراک مہیا کرنا بنایا گیا۔ بین الاقوامی میڈیا پر قحط سالی کے شور اور ٹی وی پر دن رات بھوک سے سوکھے ہوئے ڈھانچوں کی نمائش نے ایسا ماحول فراہم کیا کہ عالمی برادری بھی چکمے میں آ گئی اور امریکی آپریشن کو یو این او کی تائید حاصل ہوگئی۔قبائل کی جنگ میں ۴۳ ہزار امریکی اور ۲۶ ہزار دیگر ممالک کے فوجی جھونک دیئے گئے۔لیکن جنرل فرح عدید کے ننگے پاؤں جنگجوؤں نے اسامہ بن لادن (جو اس وقت سوڈان میں مقیم تھے) کے ساتھیوں کی مدد سے ایسی مزاحمت دکھائی کہ دو سال بعد صومالیہ سے دم دبا کر بھاگتے ہی بن پڑی۔سب سے بڑا معرکہ موغادیشو کے جنوب میں ہوا جہاں اسامہ کے کمانڈر عاطف نے سٹنگر میزائل سے ایک امریکی بلیک ہاک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔جس میں سترہ امریکی مارے گئے۔مرنے والے امریکیوں کی نعشوں کو ننگ دھڑنگ صومالی بچے گھسیٹتے پھرے۔یہ مناظر دنیا کے تمام ٹی وی چینلز پر دکھائے گئے۔صدر کلنٹن کا عزم صرف ان تصویری مناظر کے سامنے منہدم ہوگیا۔صومالیہ کے تمام آپریشن میں غالباً ۲۹ امریکی اموات ہوئی ہوں گی۔صومالیہ سے امریکیوں کا پسپا ہونا تھا کہ فاقوں کے قصے اور مدقوق اجسام کی ٹی وی پر نمائش بھی تمام ہوئی۔البتہ ارٹیو یا پر صیہونی قدم جم چکے تھے اور اسامہ کے ساتھ امریکہ کی جنگ ابھی جاری ہے۔

اس داستان کا ایک پوشیدہ پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ صومالیہ میں امریکی معاونت کے لیے پاکستان نے بھی پیدل فوج اور بکتر بند دستے فراہم کئے تھے۔پاکستانی سپاہیوں نے جہاں خوراک کی تقسیم میں قابل قدر خدمات انجام دیں' وہاں متعدد بار امریکیوں کو صومالی جنگجوؤں سے بچانے میں بھی کردار ادا کیا۔جس کے لیے امریکی سینٹرل کمانڈ نے پاکستانی فوج کی بے پناہ تعریف کی اور ہمارے جوانوں کو دنیا کے بہترین سپاہی قرار دیا۔لیکن جب ہالی وڈ نے امریکی فوج کے تعاون سے "Black Hawak Dawn" نامی مشہور فلم بنائی تو اس میں پاکستانیوں کا سرسری ذکر تو تھا مگر تحسین پر مبنی ایک جملہ بھی شامل نہ تھا۔اس کام میں پاکستانی ملت کے متعدد خوشنما پھول امریکیوں کو بچاتے ہوئے نثار ہوگئے۔صرف ایک موقع پر اگر امریکی دستوں کو پاکستانیوں کی بروقت کمک نہ پہنچتی تو فوجی مبصروں کے مطابق اس دن کم از کم ڈیڑھ سو امریکی فوجی مارے جاتے۔میری مستند اطلاع کے مطابق صومالیہ میں امریکہ مخالف دھڑے مختلف ذرائع سے پاکستانی کمانڈروں

اورخود جی ایچ کیو کو یہ پیغام بجھواتے رہے کہ ''خدارا! تم ہمارے مسلمان بھائی ہو' امریکی درندوں کے لیے ڈھال مت بنو ' ہمیں ان سے دو دو ہاتھ کر لینے دو۔''

آج پھر عراق میں تعاون کا حکم آ گیا ہے۔ آج پھر پاکستان کی فوجی ڈھال کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ بھلا تعمیل اس فرمان غیرت کش کی ممکن ہے؟ لیکن کوئی لاکھ احتجاج کرے' فیصلہ وہی ہوگا جو جی ایچ کیو اور پینٹا گون کے درمیان طے ہوگا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک طویل اور دل سوز داستان ہے' جسے مستقبل پر اٹھا رکھتا ہوں۔ پاکستان کا ہر دانشور کہہ اور لکھ چکا ہے کہ عراق میں فوج نہ بھیجی جائے۔ لبرل دانشور بھی اس رائے میں شریک ہیں۔ حالانکہ امریکہ کی پسپائی ان کے تصورات کے محل مسمار کر ڈالے گی۔ جیسا کہ افغانستان سے روس کے نکلنے کے بعد ترقی پسند دانش وروں کی امیدوں کا حشر ہوا تھا' لیکن اپنے بہادر اور غیور فوجیوں کو ''کرائے کے سپاہی'' کہلوانا کسی کو گوارا نہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ عراق کے خلاف ایک تاریخی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ افغانستان کے خلاف بھی ایسا ہی جرم ہوا تھا لیکن ''عملیت پسندوں'' کی بصارت اس وقت دبیز پردوں کو چاک نہ کر سکی اور طالبان بیچارے تو ویسے ہی زیر عتاب تھے۔ اگر صومالیہ کے فاقہ زدہ بچے ساز گار ماحول پیدا کر رہے تھے تو افغانستان میں ٹینٹ برقعے میں ملفوف خواتین اور لمبی داڑھیوں نے واردات کا پس منظر تخلیق کیا۔ ہمارے ''ارباب بصیرت'' اس پوشیدہ حقیقت کو دیکھ نہ پائے۔ ع.....

فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

افغانستان پر کیا بیتی اور اس غیور قوم کا مستقبل کیا ہے' آج بھی کسی کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ طالبان پر سفاکانہ حملے کے وقت ہمارے اس وقت کے وزیر خارجہ جناب عبدالستار صاحب نے فرمایا تھا کہ ٹونی بلیئر نے ہمیں (حملے کے حق میں) تسلی بخش ثبوت فراہم کر دیئے ہیں لیکن میں نے حال ہی میں ہفت روزہ ''تکبیر'' میں ان کا ایک انٹرویو پڑھا ہے جس میں انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ایسا کوئی ثبوت نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت قوم سے جھوٹ کیوں بولا اور کس کے حق میں دلائل کے انبار لگایا کرتے تھے۔ اسے عین قومی مفاد میں بتاتے تھے' اب وہ قومی مفاد کہاں گیا؟ آج پھر یہ کہا جائے گا کہ عراق میں فوج بھجوانا قومی مفاد میں ہے مگر کل جب زیاں وسود کا حساب ہوگا تو کوئی ستم ظریف معصومیت سے مان لے گا کہ اس میں خسارہ ہی خسارہ تھا مگر پھر پچھتانے سے فائدہ نہ ہوگا۔ آئیں! ذرا نفع ونقصان کی کسوٹی پر اس معاملے کو آج ہی پرکھتے ہیں۔

ممکنہ نقصانات

ا) عراق پر امریکہ اور برطانیہ کا حملہ اور غاصبانہ قبضہ بلا جواز، غیر قانونی اور غیر اخلاقی تھا اور ہے۔ دنیا کے کروڑوں انسانوں نے بروقت مخالفت کر کے اس کا کھلا اظہار کر دیا تھا۔ اس جرم میں کسی طرح کا عملی تعاون شراکت جرم کے مترادف ہوگا اور

ہمارے لیے تاریخی شرمندگی کا باعث بنے گا۔ قائداعظم کے اسلامی پاکستان کے لیے یہ کردار کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

۲) عراق میں تحریک آزادی جہاد کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کا دائرہ وسیع ہوگا، اس کی لپیٹ میں پورا خطہ آ جائے گا۔ اس صورت میں وہاں موجود پاکستانی افواج کا اصل کام امریکی غاصبانہ قبضے کو مستحکم کرنا اور امریکہ کے لیے سلامتی کی ڈھال فراہم کرنا ہوگا۔

۳) عراق میں امریکی اہداف دوطرفہ تھے.....تیل کی دولت پر قبضہ اور اسرائیل کی ناجائز ریاست کو تحفظ دینا۔ گہرائی میں جھانکیں تو ہماری فوج اس مقصد سے تعاون کر کے ہمارے قبلہ اوّل پر صیہونی قبضے کو تقویت فراہم کرے گی اور تحریک پاکستان کے تمام احساسات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صیہونیوں کے ''گریٹر اسرائیل'' کے خواب کو پروان چڑھا رہی ہوگی۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے کہ ''گریٹر اسرائیل'' کا جو نقشہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے باہر لٹک رہا ہے۔ اس میں مدینہ منورہ بھی صیہونی منصوبے میں شامل ہے۔

۴) عراق میں مزاحمتی تحریک عرب قوم پرستی، اسلامی احیائے نو اور اسلامی انقلاب کے جذبوں کا امتزاج ہوگی۔ افواج پاکستان کا ان جذبوں سے تصادم کسی طور بھی موزوں نہ ہوگا۔

۵) عراق میں شدید مزاحمت سامنے آئے یا امریکی قبضہ مستحکم ہو، ہر دو صورتیں امریکی عقابوں کو ایران پر حملے کے لیے اکسائیں گی۔ مزاحمت کی صورت میں وہ دلیل دیں گے کہ ایران کو قابو کیے بغیر عراق میں سٹریٹیجک پوزیشن برقرار نہیں رہ سکتی اور اسرائیل کے لیے خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ کامیابی کی صورت میں ایران کو بھی ساتھ ہی لپیٹ دینے کا استدلال مضبوط ہوگا۔ ان حالات میں پاکستانی افواج بالواسطہ ایران کے خلاف شریک کار ہوں گی۔

۶) عرب عوام میں امریکہ اور اپنے حکمرانوں کے خلاف جذبات روز افزوں ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں جس نئے انقلاب کے آثار ہویدا ہیں۔ ان میں حکمران غیر اہم ہو جائیں گے۔ حکومتیں ناپائیدار ثابت ہوں گی۔ پاکستان کو بالآخر عرب عوام سے ہی معاملہ کرنا ہوگا۔ عوامی سوچ کے خلاف پاکستان کا کردار مستقبل میں ہمارے لیے مسائل پیدا کرے گا۔ یاد رہے عرب عوام نے حسین شہید سہروردی کے ''صفر + صفر = صفر'' کی عربوں پر طنز کو ابھی تک فراموش نہیں کیا۔

۷) عرب قوم پرستی سے متضاد رویے پر مشرق وسطیٰ میں ۲۰ لاکھ پاکستانیوں کے کاروبار اور روزگار مجروح ہوں گے۔

۸) پاکستانی فوج امریکی کمان کے ماتحت ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہاں بھارتی فوج کے ساتھ مل کر بھی کام کرنا پڑے۔ دونوں طرح ہماری فوج کی نفسیات پر مضر اثرات مرتب ہوں گے۔

۹) اندرون ملک انتشار میں اضافہ ہوگا۔ بالخصوص فوج کی قیادت اور ادارے سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ عوام اپنی فوج سے پوچھیں گے کہ ہمارے خون پسینے سے پلے ہوئے اور ہماری دعاؤں سے شاداب ہونے والے آخر کرائے کے سپاہی کیوں بن گئے ہیں اور وہ بھی اسلام دشمنی کے لیے۔

۱۰) عراق کی تحریک آزادی کے مراکز، مساجد اسلاف کے مزار ہوں گے۔ ان کے خلاف استعمال پاک فوج کے لیے بہت

کڑا امتحان ہوگا۔

ممکنہ حقیر فوائد

۱)امریکہ کچھ شخصیات سے خوش ہو جائے گا (پاکستان سے نہیں) اور ان کے ہر جائز و ناجائز کام سے صرف نظر کرے گا لیکن وقتی طور پر۔مطلب نکلنے کے بعد وہی کرے گا جو ماضی میں کرتا آیا ہے۔

۲)پاکستان کو کچھ ڈالروں کی امداد مزید مل جائے گی جس سے معاشرے میں خوش حالی تو کیا آئے گی۔البتہ چند افراد مزید خوشحال ہو جائیں گے۔

۳)پاکستان کے مٹھی بھر ''بین الاقوامی شہریوں'' کی نوکریاں مزید پکی ہو جائیں گی۔

نفع نقصان کے اس پیمانے پر جانچیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔آخر ایسی بھی کیا آفت ہے کہ اتنے حقیر مفاد کے لیے ہم ایمان وضمیر کے ساتھ جان و مال بھی قربان کر دیں۔عراق ہو یا افغانستان امریکیوں نے یہ مصیبت خود ہی گلے ڈالی ہے۔اسے نمٹانا بھی ان کی ہی ذمے داری ہے۔They must carry their own burden ایک بے وفا سے وفا شعاری کسی اصول کی رو سے جائز نہیں۔اگر عراق ویت نام بنتا ہے تو بنا کرے.....اگر افغان قوم ایک اور سپر پاور کا غرور خاک میں ملاتی ہے تو اس پر ہم کیوں تڑپیں۔اگر ''سب سے پہلے پاکستان'' کو ہی ہم نے حرزِ جاں بنالیا ہے تو کم از کم اس اصول سے ہی وفا کریں۔امریکہ کے سامنے کیوں ہمارے سارے اصول دم توڑ دیتے ہیں اور حمیت وشجاعت جواب دے جاتی ہے.....؟اس سوال کا جواب ہماری قیادت کے ہر دعویدار کو اپنے ضمیر میں جھانک کر دیکھنا ہوگا' قوم جواب مانگ رہی ہے۔

اور آخر میں ''عملیت پسندوں'' کے لیے ایک مشورہ.....غور کریں تو امریکہ ایک ڈھلتی ہوئی طاقت ہے۔اس کا سورج غروب ہونے میں کتنا وقت لگے گا' یہ میں نہیں کہہ سکتا۔لیکن عرصہ زیادہ طویل ہرگز نہ ہوگا۔اس لیے ہر جائز و ناجائز میں اس کا ساتھ دینا درست نہ ہوگا۔قوموں کے لیے مختلف ادوار آیا کرتے ہیں.....مگر مشکلات انہیں سرنگوں نہیں کرتیں، پورے قد سے کھڑے رہنے پر آمادہ کرتی ہیں۔انہیں اپنی بقا اور آزادی کے لیے اصول پرستی کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔میرا خیال ہے ہم سب کے لیے سوچنے کی بات' سامنے کا سوال یہ ہے۔کیا امریکہ کا موجودہ غرور کے ساتھ دنیا پر پھیلتے جانا پاکستان، اسلام اور انسانیت کے اتنا ضروری ہے کہ ہم اپنی قیمتی لہو اس پر نچھاور کر دیں.....؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر امریکہ مستقبل قریب میں پسپائی اختیار کر کے اپنی تنہائی کی طرف واپس لوٹتا ہے تو اس سے پیدا شدہ خلا کو کیسے پر کیا جائے گا؟اس صورت میں اسلام اور عالم اسلام کا کردار مرکزی ہوگا۔لیکن تب ہم کہاں کھڑے ہوں گے؟امریکہ کے پرچم بردار بن کر اگر ہم ہار گئے تو جشن مسرت کون منائے گا اور اگر ہم جیت گئے تو فاتح کون کہلائے گا؟

اطہر ہاشمی

بے بنیاد پرستی

''اف توبہ' یہ کیسی کیسی فلمیں کیبل پر آتی ہیں۔''

''کیا ہوا؟''

''کل میں بھی بچوں کے ساتھ فلم دیکھنے بیٹھ گئی۔ ایسے ایسے مناظر تھے کہ بچے خود اٹھ کر چلے گئے۔''

''تو بھئی' یہ کیبل بند کروادو''

''کیوں؟ میں کوئی بنیاد پرست ہوں۔ میں نیا ٹی وی لے رہی ہوں۔ جو میرے کمرے میں رکھا رہے گا۔ میں بچوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھوں گی۔''

''اور یہ جو بچے ایسی فلمیں دیکھ رہے ہیں''

''تو کیا ہوا' وہ بھی کوئی بنیاد پرست تو نہیں۔ میں انہیں ترقی پسند بنانا چاہتی ہوں۔ آپ نے سنا نہیں کہ ہمارے صدر لندن اور واشنگٹن والوں سے کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمیں اسی طرح تو ترقی کرنی ہے۔ ترقی پسندی اور روشن خیالی میں آپ جیسے لوگ رکاوٹ بنے ہوئے ہیں ورنہ اب تک پاکستان کہاں سے کہاں ہوتا۔ واشنگٹن اور لندن والے ہمیں دیکھنے آتے۔ پیرس والے آرزو کرتے کہ وہ بھی پیرس کو اسلام آباد بنا ڈالیں۔''

''چلو' اور کچھ نہیں تو کیبل ہی بند کروادو۔ اس کے ذریعہ تو بہت فحش فلمیں آتی ہیں۔''

یہ سب دیکھنے والوں کا قصور ہے۔ ان کے دماغ کی خرابی ہے۔ بھلا ان فلموں میں کیا ہے؟ اعتراض کرنے والے اپنا نفسیاتی علاج کروائیں اور آپ کیبل کے ذریعے دکھائی جانے والی فلموں پر اعتراض کرتے ہیں ا۔ انہیں جیو (Jew) کی شرارت سمجھتے ہیں۔ اب تو ہم خود اتنے ترقی یافتہ ہو گئے ہیں کہ بس کچھ ہی عرصہ بعد ہمارے اپنے پروگرام ان سے آگے ہوں گے۔

''ہاں! اور پھر یورپ' امریکہ والے اپنے بچوں کو ہمارے پروگرام دیکھنے سے منع کریں گے۔''

''اجی ہٹو بھی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ہم جس کام میں بھی ان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس وقت تک ہم سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ وقت کب آئے گا جب ہم ان کے برابر کھڑے ہو سکیں گے۔''

''گھبراؤ مت' وہ وقت جلدی آنے والا ہے۔ ہم جس روشن خیال اور ترقی پسند پاکستان کے لیے کوشش کر رہے ہیں وہ کچھ ایسا ہی ہوگا۔ تمہارے برخوردار سے میں نے کہا کہ بیٹا! سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہو' ایک وقت کی نماز ہی پڑھ لیا کرو۔ تو کہنے لگا' ایک دفعہ میں مسجد میں چلا گیا تو میرے دوست نے' جس کے والد بہت بڑے سرکاری افسر ہیں' میرا مذاق اڑایا اور مجھے قدامت پسند مُلّا کہنے لگا۔''

''ارے اس کی کیا بات کرو ہو' یہ جو ہماری پڑوسن ہیں ناں' وہ جو ٹی وی ڈراموں میں بھی آتی ہیں۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تمہارے میاں تو بنیاد پرست لگتے ہیں' کل میں آئی تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا یہ عید کا موقع تھا؟ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ میں سمجھی سلام پھیر رہے ہیں مگر وہ تو مسلسل دوسری طرف منہ کئے رہے' تم کہاں پھنس گئی ہو۔''

''ہاں منہ تو میں نے پھیر لیا تھا۔ تمہاری پڑوسن کی وجہ سے نہیں۔ ان کی عمر تو تمہارے ہی برابر کی ہے' اُن کی طرف سے منہ پھیرنے کی اب کوئی وجہ نہیں رہی' مگر ان کے ساتھ جوان کی صاحبزادی تھیں' ان کا لباس کچھ نا کافی سا تھا۔ کسی ہوئی جینز پر اونچی شرٹ چڑھائے ہوئے تھیں۔ شاید چھوٹی بہن کی تھی۔ میں اس وقت باوضو مصلے پر بیٹھا ہوا تھا' اس لیے منہ پھیر لیا۔ ان سے کہو کسی اور وقت آ جائیں' شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''آ گئے ناں اپنی حرکتوں پر' بڑے بنیاد پرست بنتے ہو' اندر سے بنیادیں کمزور ہیں۔''

''بی بی' اب میری عمر تو وہ ہے جس میں آدمی صرف برا سوچ ہی سکتا ہے۔ لیکن تمہاری روشن خیالی اور ترقی پسندی اب کہاں گئی؟''

''اب میں اتنی روشن خیال بھی نہیں ہوں کہ شوہر کو ادھر ادھر جھانکنے تاکنے کی آزادی دوں۔''

''جب اپنا معاملہ آتا ہے تو تر کی تمام ہو جاتی ہے۔ ہمارے وہ رہنما جو ترقی پسندی اور روشن خیالی کی مالا جپ رہے ہیں اور اسلام کا نیا ایڈیشن لانے کے دعوے کر رہے ہیں۔ وہ ذرا خود کیبل نیٹ ورک یا ہمارے اپنے بعض چینلز کے پروگرام اپنی بیٹیوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھیں' شاید چند ہی ایسے نکلیں گے جو بڑے حوصلے سے بیٹھے رہیں۔ لیکن اسے حوصلہ نہیں کچھ اور کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے لیے جو لفظ ہے' وہ شاید نامناسب محسوس ہو مگر بہت مناسب ہے۔ مجھے معلوم ہے کچھ ترقی پسند ایسے بھی ہیں جو اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھ کر جام وصہبا کا شغل کر لیتے ہیں۔ لیکن فحش فلمیں دیکھنا ان کے لیے مشکل ہوگا۔ سرحد حکومت میں چند بورڈز کا گرائے گئے کہ حکومت گرانے کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ بنیاد پرستی کے طعنے دیئے جا رہے ہیں۔ یہ طعنے دینے والے وہ لوگ ہیں جن کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہیے۔ چنانچہ دوسری کی بنیادوں پر اپنی دیوار اٹھانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بنیاد تو اسلام ہے اور اس کو ماننے والے' تسلیم کرنے والے بنیاد پرست ہیں۔ ان کو آپ انگریزی میں ''فنڈا مینٹلسٹ'' کہتے ہیں۔ جبکہ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ مثلاً بی اے میں' ہم نے Fendamentals of Economics پڑھی ہے۔ اس طرح فزکس کی بنیاد پر کتاب ہے۔ اسلام اور اس کو تسلیم کرنے والے بے بنیاد ہو گئے۔ کیا عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کی کوئی بنیاد نہیں ہے؟ عیسائی تو اپنی بنیادیں مسلم ممالک میں جا کر مضبوط کر رہے ہیں۔ عیسائی مبلغین دھڑا دھڑ عراق پہنچ رہے ہیں جن میں ایونجلسٹ (Evan Galist) فرقہ سب سے آگے ہے۔ مسٹر بش کا تعلق بھی اسے فرقے سے ہے جو اسلام کو بے بنیاد اور دہشت گردی کا مذہب بتاتا ہے۔ ہم ان ہی کے اندر گھس رہے ہیں جو ہمیں دنیا بھر میں ذلیل کر رہے ہیں۔ اقبال نے تو یہ کہا تھا کہ ''حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے'' اب کیا ہم سب تیمور کا گھرانہ بن گئے ہیں۔

اسلام میں ترقی پسندی اور روشن خیالی کا پیوند لگانے کا خواب دیکھنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ اسلام میں عیسائیت یا کسی دوسرے مذہب کی طرح تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ''خود بدلتے نہیں اسلام کو بدل دیتے ہیں۔'' بچوں کے نصاب میں سے جہاد سے متعلق آیات ڈر کے مارے نکال دی گئیں' لیکن کیا قرآن کریم میں سے بھی نکالنے کی جرأت کرسکیں گے۔ اس قرآن میں سے جس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے۔ ہم کہہ رہے یں نہیں جی' اب تو یہودی بھی ہمارے دوست ہیں۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مطلب دوستی ہی ہوا۔ اسی سے سفارتی تعلقات قاوم ہوں گے۔ اس کے سفیر اور سفارتکار آئیں گے تو دوست ہی کی حیثیت سے تو آئیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہمارے دوست ٹھہریں گے۔ یہ ہے ترقی پسند اور جدید اسلام۔ اللہ رسول کی باتیں کرنے والے سارے بنیاد پرست اور ملک دشمن ٹھہرے۔ کہا گیا ہے کہ ہم کو فلسطینیوں سے زیادہ فلسطینی بننے کی کیا ضرورت ہے۔ واہ! کیا خوب کیا یہود و اسرائیل اور قبلہ اوّل پر قبضہ صرف فلسطینیوں کا معاملہ ہے؟ پھر ہم کو کشمیریوں سے زیادہ کشمیری بننے کی بھی کیا ضرورت ہے؟

ترقی پسندی شاید وہ ہے جو یورپ و امریکہ میں نظر آرہی ہے۔ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق امریکہ میں اسکول کے بچوں اور بچیوں کی اکثریت ۱۴ سال کی عمر تک جنسی تعلق سے آشنا ہوجاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکولوں میں اسے بطور مضمون پڑھایا جائے گا تو پریکٹیکل بھی ہوگا۔ ابھی تو ہمارے ہاں جو فلمیں اور ڈرامے دکھاوے جارہے ہیں' وہ ہی رنگ لارہے ہیں۔ ترقی پسندی کی دوڑ شروع ہوئی تو ہمارے اسکولوں میں بھی یہی کچھ دھڑلے سے ہوگا اور ہم ترقی کی بغلیں بجائیں گے۔ جو اس کے خلاف آواز اٹھائے' وہ بنیاد پرست اور ''بیک ورڈ'' قرار پاتا ہے۔ ایسے ہی لوگ کسی طرح پارلیمنٹ میں پہنچ گئے۔ سرحد میں حکومت بنالی تو ہضم نہیں ہورہے۔ کوہاٹ سے رکن قومی اسمبلی مفتی ابرار سلطان کو تو ایک جج مسٹر پرویز نے نااہل قرار دے ہی دیا ہے۔ حیرت ہے کہ ایک مفتی' جس سے لوگ دینی معاملات میں فتویٰ لیتے اور اس پر اعتبار کرتے ہیں' وہ جاہل اور نااہل ٹھہرا۔ مذکورہ جج صاحب موازنہ کرکے دیکھ لیں۔ شرعی معاملہ میں لوگ کس کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے بی اے اور ایم اے پاس ارکان اسمبلی اور وزراء بھی ہیں جنہیں انگریزی تو کیا اردو بھی صحیح طرح بولنی اور لکھنی نہیں آتی۔ آزما کر دیکھ لیں۔ ہمارے ایک نام ور وفاقی وزیر ''نبرد آزما'' کو ''نبرو آزما'' بڑے دھڑلے سے بولتے ہیں۔ ہم پھر ان کا ذکر کر بیٹھے۔ لیکن ایسے بہت سے بے بنیاد پرست ہیں۔ وہ لطیفہ تو معروف ہے کہ ایک ایسے ہی وزیر کے سامنے جب فائلیں پیش کی گئیں تو گھبرا گئے۔ سیکرٹری نے تسلی دی کہ آپ فائلوں پر صرف ''سین'' (Seen) لکھ دیا کریں باقی ہم سنبھال لیں گے۔ اندر سے فائلیں آئیں تو سب پر ''س'' بنا ہوا تھا۔ مدرسے کا فارغ التحصیل ان سے تو زیادہ پڑھا لکھا اور سمجھ دار ہوتا ہے۔''

''ارے بابا! معاف کرو۔ تم نے تو اتنی لمبی چوڑی تقریر کرڈالی۔ میں کل سے ہی کیبل ہی کٹوا رہی ہوں۔ چلو بچو! اٹھ کر نماز پڑھو۔ کبھی خدا کو بھی یاد کرلیا کرو۔ اپنی بنیاد ہی بھلا بیٹھے ہو۔''

(مطبوعہ: ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی ۹ر جولائی ۲۰۰۳ء)

پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

''کوئی صورت نظر نہیں آتی''

ملکی حالات ارباب فکر ونظر کے سامنے ہیں۔کوئی محبّ وطن پاکستانی ان حالات سے مطمئن نہیں بلکہ انتہائی پریشان اور متفکر ہے۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ سیاسی حالات کا یہ اونٹ کل کو کس کروٹ بیٹھے۔ ملک کے سیاسی حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہوئے جاتے ہیں۔حکومت اور اپوزیشن اپنے اپنے مورچوں میں بیٹھی چاند ماری میں مصروف ہے۔لوگ معاشی طور پر انتہائی پریشان حال اور متفکر ہیں۔خودکشی کی وارداتوں میں آئے دن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔کسی شخص کی جان، مال، عزت آبرو محفوظ نظر نہیں آتی۔موجودہ حکومت کی گرفت معاشرے پر جیسے باقی ہی نہیں رہی۔غلط کار لوگوں کی ہر قدم پر حوصلہ شکنی کی بجائے حوصلہ افزائی میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔جن لوگوں نے بظاہر حالات کو قابو میں رکھنے اور انہیں سدھارنے کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے وہ اپنے اقتدار کی کرسی کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں اور اپوزیشن والے اقتدار کی کرسی کو ہلانے کے لیے انتھک محنت کررہے ہیں۔حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے درمیان ایک فردوجۂ نزاع بنا ہوا ہے۔ وہ کسی کی مانتا ہی نہیں ۔جس طاقت کے اشارے پر وہ حکومت کے تخت پر براجمان ہوا ہے۔وہ طاقت اسے اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ وہ عوام کے مطالبے کے پیش نظر اپنے آپ کو سیاسی اقتدار سے الگ کرلے۔ بلکہ اسے اقتدار تک لانے والی طاقت برابر اس کی پیٹھ ٹھونک رہی ہے۔کہ ڈٹے رہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔تم بڑے بہادر رہنما ہو، نہ کسی کے سامنے جھکتے ہو نہ کسی سے ڈرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے کوئی بات کیسے منوائی جاسکتی ہے کہ جس کی پشت پر امریکہ بہادر کا ہاتھ ہو۔ادھر ملک کے وزیراعظم صاحب فٹ بال بنے ہوئے ہیں اپوزیشن ''کِک'' لگاتی ہے تو جنرل صاحب کے پاس چلے جاتے ہیں اور جنرل صاحب ''کِک'' لگاتے ہیں تو اپوزیشن کی منت سماجت کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ملک سے دانش وراور قلم درمیانی راہ اختیار کرنے کی تلقین میں دن رات کالم لکھ کر کاغذ سیاہ کررہے ہیں۔لیکن صورتِ حال بنتی نظر نہیں آتی، بگڑتی ہی چلی جاتی ہے۔ ؎

پاؤں رہا رکاب میں نے ہاتھ میں عنان
کن حادثوں کی نذر یہ اپنا وطن ہوا
پھولوں میں دل کشی نہ فضاؤں میں تازگی
بے رنگ یُوں بہار میں اپنا چمن ہوا

☆☆☆

ادھر ہندوستان کے ساتھ ازسرِ نو دوستانہ تعلقات کا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے۔کشمیر کا مسئلہ وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔

لیکن تجارتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے دونوں ممالک بڑے مستعد نظر آتے ہیں۔ امن وفود ایک دوسرے کے ہاں بھیجے جارہے ہیں۔ پاک بھارت دوستی کے نعرے فضا میں بلند ہورہے ہیں۔ دہلی اور لاہور کے درمیان را بطے بحال ہوگئے ہیں۔لیکن یہ سب کچھ تو وہی ہے جو نواز شریف اور واجپائی کے درمیان طے پا چکا تھا۔ جسے ''ڈینامیٹ'' کرنے کے لیے کارگل کا ڈرامہ رچایا گیا۔ جماعت اسلامی نے اُس وقت کی حکومت کے خلاف احتجاج کیا اور پولیس سے مار کھائی تھی۔اُس وقت یہ سب کچھ حرام تھا' اب حلال ہوگیا ہے؟ ملک کی حزب اختلاف بھی اس پر منقار زیر پر ہے اور حکومت قدم بہ قدم آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔

☆☆☆

اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مسئلہ مشرف صاحب نے چھیڑ دیا ہے۔ جس پر بحث وتمحیص جاری ہے۔ اخبارات میں آئے دن اس موضوع پر خامہ فرسائی ہورہی ہے۔ امریکہ کے اشارے پر جنرل صاحب نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے اور ایک دن یہ مسئلہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا، قوم دیکھتی رہ جائے گی اور وزارتِ خارجہ اسرائیل کو تسلیم کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے گی کہ حکومت نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جو پچھلی حکومتوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ امریکہ خوش ہوکر کچھ رقم اور دے دے گا۔ اور حکومت اس پر یہ بیان داغ دے گی کہ زرمبادلہ بڑھ کر' گیارہ ارب ڈالر ہوگیا ہے۔ بیت المقدس اس کے باوجود اسرائیل کے ہی قبضے میں رہے گا اور فلسطینی پہلے کی طرح ملک سے باہر دوسرے ممالک کے اندر اُسی طرح پناہ گزینوں کی طرح انتہائی کسمپرسی کے عالم میں اپنی زندگی گزارتے رہیں گے۔ موجودہ حالات یہ ہیں کہ اسرائیل کی قید میں آٹھ ہزار قیدیوں کو رہا نہ کرنے کا اعلان' اسرائیل کی حکومت نے کر دیا ہے۔ صرف تین سو قیدی رہا ہوئے ہیں اور دو سو فلسطینی قیدیوں نے جیل میں بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

☆☆☆

جنرل صاحب کے موجودہ دورے کو کامیاب قرار دیا جارہا ہے۔ ساڑھے تین ارب ڈالر کی رقم پاکستان کو مل گئی ہے ۔جس میں کچھ تو امریکہ کے قرضے میں واپس امریکہ کو ہی دے دی جائے گی اور کچھ امریکہ سے اسلحہ خرید کر اسے واپس کی جائے گی اور باقی جو بچے گی اس سے بقول قاضی حسین احمد'' پاکستان کے دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کو قدرے سیکولر بنانے پر خرچ کیا جائے گا۔'' اِدھر کچھ دانشور یہ کہتے بھی سنے گئے ہیں کہ طالبان کے قتل عام کے لیے جو اڈے پاکستان نے امریکہ کو دیئے اور جو خرچ پاکستان کا اپنا اس کام پر صرف ہوا وہ اندازً بارہ ارب ڈالر ہے، اگر یہ بات سچ ہے تو آپ خود فیصلہ کر لیں کہ کوئلوں کی دلالی میں ہم نے منہ' ہاتھ بھی کالا کیا اور مالی طور پر بھی خسارے میں رہے۔ لیکن جنرل صاحب کی لاڈلی حکومت کامرانی وکامیابی کے راگ الاپے چلی جارہی ہے۔ اس پر اس کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں ع

''شرم تم کو مگر نہیں آتی''

☆☆☆

قتل و غارت تو ملک کے اندر پہلے ہی عام تھی لیکن سانحہ کوئٹہ نے تو اہلِ پاکستان کے دل ہلا کے رکھ دیئے ہیں۔ قاتلوں کی بیس منٹ تک مسلسل فائرنگ سمجھ سے بالاتر بات ہے، پولیس اور فوج یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور حرکت میں نہ آئی۔ قاتل اندھا دھند گولیاں چلاتے رہے۔ انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔ آخر یہ لوگ کون تھے؟ حکومت کی جانب سے مذہبی انتہا پسندوں کی کارروائی بتا کر خاموشی اختیار کر لی گئی ہے لشکر جھنگوی کا نام بھی لیا گیا۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ لشکر جھنگوی میں اب اتنی جان ہے کہ وہ اس طرح کی کارروائی کریں۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق حکومت جو امریکہ کے اشارے پر القاعدہ اور طالبان کی پکڑ دھکڑ کر رہی ہے، سانحہ کوئٹہ اس کا ردِّعمل ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی حکومتی ادارے پر حملہ زیادہ قرین قیاس ہوتا۔ عوام پر حملہ اور پھر عوام میں سے ایک خاص مذہبی فرقے کے افراد چن کر قتل کرنا، اس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ خصوصاً جب پورے ملک کے اندر شیعہ سنی کھچاؤ نہ ہونے کے برابر ہو صرف بلوچستان کے اندر ایسا کیوں ہو رہا ہے' سمجھ سے بالاتر ہے۔ پھر قاتلوں کا خودکش بموں سے اپنے آپ کو ختم کر لینا۔ ایسی صورت میں کہ جب قاتل خود بھی باقی نہ رہیں تو اندھا قتل کسی کے نام بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ پھر اس واقعے سے ذہن ادھر بھی جاتا ہے کہ قاتلوں نے اپنے آپ کو خود ختم کیا یا کسی نے انہیں قتل کر دیا' تاکہ اصل کہانی منظرِ عام پر نہ آنے پائے۔ ایسے واقعات سے ذہن پر اس طرح کے کئی خیالات ابھرتے ہیں۔ بہرحال جو کچھ ہوا انتہائی قابلِ مذمت ہے لیکن اس کے لیے بھی موجودہ حکومت ذمہ دار ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہماری وزارتِ داخلہ، وزیرِ داخلہ کا اس واقعے کے بعد وزارت پر متمکن رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ لیکن انہیں کوئی نہیں ہٹا سکتا وہ ایک گروپ کے ساتھ وزارت پر فائز ہوئے ہیں اور حکومت کو اس گروپ کی اشد ضرورت ہے۔ جن حالات میں انہیں وزیر بنایا گیا، وہ سب کے سامنے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں کہ جب انہیں وزیرِ داخلہ بنایا گیا تو اس وقت ان کا نام اس فہرست میں موجود تھا جس فہرست میں شامل افراد حکومت کی اجازت کے بغیر ملک سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ آخر ایسا کیوں تھا، وہ ہم بھی جانتے ہیں اور حکومت بھی۔ ایسے وزیر اور ایسے گورنر آج حکومت میں شامل ہیں جو کل تک حکومت کو بطور مجرم درکار تھے اس سے حکومت کا جمہوری معیار سامنے آتا ہے۔ ؎

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر
ورنہ یُوں دوش پہ کاکل ٹھہرے

☆☆☆

حالات کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ تعلیم اور صحت کے شعبے دن بدن خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان شعبوں سے حکومت جان چھڑانے کی کوشش کر رہی ہے۔ تعلیم کا شعبہ تو ٹھیکے پر دے دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ کوئی تعلیمی معیار رہ گیا ہے نہ وقار، معلوم یہ ہوتا ہے کہ اب ہمارے ملک کے اندر تعلیم خاص لوگوں کے لیے ہوگی اور خاص قسم کی ہوگی۔ تعلیمی اداروں میں تعلیم نام کو نہیں اور تربیت کا تو کہیں دور دور تک نام و نشان باقی نہیں رہا۔ پڑھانے والے جب

ٹھیکے پر کام کریں گے تو ان کے اندر دلجمعی اور دل بستگی کہاں سے پیدا ہوگی۔ جگہ جگہ تعلیمی ادارے کھلے ہیں لیکن یہ تعلیمی ادارے نہیں بلکہ دکانیں ہیں جہاں پر تعلیمی تجارت ہو رہی ہے۔ کم سن بچیاں جو ایف اے، بی اے کر کے گھر میں بیٹھی تھیں تھوڑے اور حقیر معاوضے پر سکولوں میں پڑھانے پر مامور ہیں۔ جنہوں نے ابھی خود پڑھنا تھا وہ پڑھا رہی ہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

صحت کے میدان میں بھی یہی صورت حال ہے۔ غریب لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہیں لیکن ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ معمولی معمولی اپریشن کے لیے ڈاکٹر بھاری معاوضہ مانگتے ہیں۔ غریب آدمی کہاں سے لائے، دوائیوں کی قیمتوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی گولی چار روپے سے کم نہیں۔ ہسپتالوں میں نہ کوئی انتظام ہے نہ کوئی ضابطہ، افراتفری کا عالم ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکومتِ وقت ان دو شعبوں کو عملاً نظر انداز کر رہی ہے کہ یہ حکومت کے کماؤ بیٹے نہیں۔ ان پر تو صرف خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور ان شعبوں پر خرچ کرنے کے لیے حکومت کے پاس کوئی رقم نہیں۔ رقم تو ساری قصرِ صدارت اور وزیراعظم ہاؤس کے اللّوں تللّوں پر صرف ہو جاتی ہے، غریبوں اور محتاجوں کی تعلیم اور صحت پر خرچ کہاں سے آئے۔ صدر صاحب وزیراعظم صاحب باہر جاتے ہیں من چاہتے لوگوں کا ایک جم غفیر ساتھ لے جاتے ہیں۔ بیوی تو لازماً ساتھ جاتی ہے۔ اب کون بتاتا ہے کہ صدر یا وزیراعظم کے ایک دورے پر کتنی رقم خرچ ہوئی۔ نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ کوئی بتاتا ہے۔ ''مال مفتِ دلِ بے رحم'' کی مصداق قومی رقم ضائع کی جا رہی ہے۔ لیکن کسی کو اس سے کیا۔ اسی نمود و نمائش جاہ و جلال، کرّ و فرّ، شان و شوکت کے لیے تو لوگ اقتدار کے لیے جائز و ناجائز طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اقتدار ذمہ داری نہیں، امتحان نہیں رہا بلکہ عیش و عشرت کا ذریعہ بن کے رہ گیا ہے۔ دینی نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اقتدار آزمائش ہے۔ خوفِ خدا رکھنے والا فرد تو دن رات خدا سے دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ مجھے کسی آزمائش میں نہ ڈالیو لیکن یہ لوگ اقتدار کے لیے ان تھک محنت کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ فریب کرتے ہیں۔ جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں اور جو لوگ ایسا نہیں کر سکتے وہ فوج میں بھرتی ہو کر امریکہ کی مدد سے اقتدار پر قابض ہو جاتے ہیں یہ کھیل پچپن برسوں سے اس ملک کے اندر ہو رہا ہے۔ نتیجہ سامنے ہے۔

☆.....☆.....☆

سلیم الیکٹرونکس

ڈاؤلینس ریفریجریٹر کے بااختیار ڈیلر

حسین آگاہی روڈ۔ ملتان فون:061-512338

عبدالرشید ارشد (جوہر آباد)

مذہبی انتہا پسندی اور جنرل مشرف

کمال اتاترک کے فین صدر پرویز مشرف نے اپنے دورۂ امریکہ کے دوران کیمپ ڈیوڈ کی پُر فضا بستی میں امریکی دہشت گرد صدر بش کو یہ نوید سنائی کہ ''طالبان اور القاعدہ کا ناطقہ بند کر دیا ہے اب مذہبی انتہا پسندی کے خلاف کام کریں گے۔ پاکستان کو قدامت پسندی کی طرف دھکیلنے کی کوششیں ناکام بنا دیں گے۔'' (روزنامہ ''انصاف'' لاہور ۲۷ رجون) اگر خبر سے مشرف کا نام حذف کر دیا جائے تو یہ الفاظ وحشی بش کے منہ سے نکلے لگتے ہیں۔ اچھے غلام کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ آقا کے مزاج کو سمجھتا ہے اور پھر اُسی کی زبان میں بات کرتا ہے۔ امریکی صدر اور اس کی انتظامیہ طالبان اور القاعدہ کی دشمن ہے کہ انہوں نے مذہبی انتہا پسندی کو ''جنم'' دیا اور ۱۱ ستمبر کی رات وہی چشمہ پاکستان کے صدر کو پہنا دیا کہ چشمہ آنکھوں پر لگتے ہی' طالبان اور القاعدہ دشمن نظر آنے لگے اور مذہبی انتہا پسندی قومی روگ بن کر سامنے آ گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

وقت وقت کی بات ہے کہ یہی امریکہ اور یہی مشرف روس کے خلاف طویل جہاد میں طالبان اور القاعدہ کو امریکی اسلحہ فراہم کر رہے تھے۔ انہی ''مذہبی انتہا پسندوں'' کو پسنی کے ساحل پر لے جا کر سٹنگر میزائل چلانے کی تربیت دیتے تھے اور جب روسی ریچھ افغانستان سے نکل گیا' انہی طالبان نے القاعدہ کے تعاون سے افغانستان کے ۹۵ فیصد رقبہ پر' پُر امن ،منشیات اور اسلحہ سے پاک مستحکم حکومت بنالی تو اس میں مذہبی انتہا پسندی نظر آنے لگی۔

طالبان کا نظامِ عدل، طالبان کی سادہ زندگی، طالبان کا ضمیر فروشی سے انکار ''مذہبی انتہا پسندی'' بن گیا۔ اگر روس کے ساتھ کشمکش جاری رہتی تو یہ سب جائز اور قابل قبول تھا۔ اس مذہبی انتہا پسندی کی دامے درمے سخنے امداد بھی جائز تھی مگر مقابلہ ختم تھا اور اب ابلیس امریکہ کو' امریکہ نوازوں کو ڈرا رہا تھا کہ یہ ''مذہبی انتہا پسندی'' تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے گی ۔ چنانچہ خوف نے اپنے پرائیوں کو ایک ''محاذ'' پر اکٹھا کر دیا۔

صدرِ پاکستان کے خصوصی تعاون سے امریکہ نے امارتِ اسلامی افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر طالبان اور القاعدہ کا ''ناطقہ بند کر دیا'' کیا یہ سچ ہے؟ بدقسمتی کہیے کہ وحشت و سفاکیت کے علمبرداروں کی زبان پر سچائی آ ہی نہیں سکتی۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ طالبان نے جنگی حکمتِ عملی کے طور پر پسپائی اختیار کر کے امریکہ اور اس کے حواریوں کے لیے نیندیں حرام کر دیں اور آج افغانستان میں اتحادی افواج کا ناطقہ بند رہو رہا ہے۔

پاکستان میں حقوقِ انسانی کی صریح پامالی کے ساتھ جن بے شمار بے گناہوں کو پکڑ کر القاعدہ کا لیبل لگاتے مشرف حکومت نے امریکہ سے ''فرنٹ لائن سٹیٹ کا اعزاز'' جیتا ہے۔ اس کی حقیقت سے باشعور اہل وطن بخوبی واقف ہیں۔ یقیناً

اُن پاکستان اہلکاروں کے ضمیر بھی ملامت کرتے ہوں گے جو F.B.I کے ساتھ چھاپوں پر معمور تھے۔ مناواں سے خواجہ فیملی کے نیک نہاد باریش ڈاکٹروں کا چہرہ دیکھ کر پاکستانی اہلکاروں کے ضمیر نے ملامت نہ کی ہوگی؟

افغانستان میں ''مذہبی انتہاپسندی'' کا قلع قمع کرنے کے بعد خونِ مسلم کا شیدائی درندہ عراق پر پل پڑا اور وہاں بھی عراقی طالبان، عراقی القاعدہ اور عراقی انتہاپسندی کا ناطقہ بند کر دیا۔ افغانی مُلّا عمر اور صدام دونوں ہی مذہبی انتہاپسند تھے ،جن کے ''کرتوتوں'' کی سزا معصوم افغانی اور عراقی شہریوں کو دینے پر امریکہ جیسا ''مہذب'' اور ٹونی جیسا ''شریف'' مجبور ہوئے اور معاونت پرویز مشرف کی ''مجبوری'' بن گئی۔ اب باری ایران کی ہے۔ ایران پر بھیڑیے کے بھیڑ کے بچے کو چارج شیٹ کئے جانے کے انداز میں، بش انتظامیہ تابڑ توڑ ''دلائل وشواہد کے ساتھ'' حملے کر رہی ہے۔ مذہبی انتہاپسندی کے خاتمہ کے لیے مظاہرے کروائے جا رہے ہیں۔ ''مال لگایا جا رہا ہے'' پھر جونہی لوہا گرم ہوا ضرب شدید لگ جائے گی۔ لوگوں کو مذہبی انتہاپسندی سے نجات مل جائے گی اور وہ عراق کی طرح، افغانستان کی طرح امریکی افواج کا ''والہانہ'' استقبال کرنے کے لیے سڑکوں پر دورویہ کھڑے ہوں گے۔

پاکستان کے صدر چونکہ زیرک جنرل ہیں، اس لیے وہ امریکی افواج کے انتہاپسندی ختم کرنے کی زحمت سے قبل ،خود ہی مذہبی انتہاپسندی کے خاتمے کا ہوم ورک کر لینا چاہتے ہیں اور چونکہ انہوں نے مصطفیٰ کمال اتاترک کو بڑی توجہ سے پڑھ رکھا ہے، وہ اس کے فین ہیں۔ لہٰذا اُسی کے نقوشِ پا پر چلتے، عمل کرتے انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی۔ کمال اتاترک کی برین واشنگ یہودی تنظیم ''فری میسن'' نے کی تھی۔

کیا یہ محض اتفاق ہے کہ یہود اور صدر مشرف کا مذہبی انتہاپسندی کو ختم کرنے کا ایجنڈا ایک ہی ہے۔ صدر مشرف کا امریکہ کی ''آزاد فضا'' میں بیان آپ آغاز میں پڑھ ہی چکے ہیں کہ اب مذہبی انتہاپسندی کے خلاف کام کریں گے۔ اب یہود کا ایجنڈا ملاحظہ فرمائیے: ''.....یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے لازم ہو گیا ہے کہ (گوئیم) غیر یہود کے قصورِ خدا کی روح کی دھجیاں بکھیر کر اس کی جگہ مادی فوائد اور حسابی قاعدے لے آئیں۔'' (Protocols-4:3)

وثائقِ یہود Protocols کا مذکورہ اقتباس پڑھنے کے ساتھ امریکی ۱۳ ارب امداد کے مبینہ ''پیکج'' اور صدر پرویز مشرف کے مذہبی انتہاپسندی ختم کرنے کے عندیئے کو ملا کر پڑھیں تو کیا آپ کے ذہن میں یہ تصویر نہیں بنتی کہ مشرف یہود کے ایجنڈے میں رنگ بھرنے کے لیے اقدامات کرنے والے ہیں۔

اہل وطن! قبل اس کے کہ وقت آ جائے جب چڑیاں کھیت چن چکی ہوں، ہوش مند ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے دین وایمان بچانے کی فکر کیجیے۔

بھڑک اٹھے ہیں پھر سے آتشِ نمرود کے شعلے
انہیں کو آج ابراہیم بن کے دکھلانے کے دن آئے

حافظ حبیب اللہ چیمہ (چیچہ وطنی)

بنگلہ دیش اور اسرائیل میں مماثلت؟

روزنامہ ''خبریں'' کی ۱۲ر جولائی ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں جناب اعظم سلطان سہروردی کا مضمون بعنوان ''بنگلہ دیش سے اسرائیل تک'' شائع ہوا۔ جس میں اعظم صاحب نے ایک غیر متحرک انداز میں اپنے اندر چھپے ہوئے ''حبِ اسرائیل'' کو ظاہر کیا ہے۔ سب سے پہلے موصوف نے ایک لمبی چوڑی تمہید باندھتے ہوئے خود کو یہ ظاہر کیا کہ ہم نے ملکی مفادات کی خاطر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی تحریک پیش کی تھی۔ جس کو اس وقت کی حکومت اور مذہبی و سیاسی جماعتوں نے مسترد کر دیا تھا اور آخر کار ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش تسلیم کر لیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعظم سلطان سہروردی اور ان کے حلقہ احباب کے لوگ ''سرکار گروپ'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاکہ صدر پرویز مشرف کے اسرائیل تسلیم کرنے کے پروگرام کی راہ ہموار کر سکیں۔

جنابِ اعظم صاحب! یاد رکھیں کہ بنگلہ دیش ایک مسلمان ملک ہے اور اقتدار کی ہوس نے مشرقی و مغربی پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور بنگلہ دیش کو ایک اسلامی برادر ملک کے طور پر تسلیم اور برداشت کر لیا تھا جبکہ اسرائیل کی پوزیشن الگ ہے کیونکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن بھی یہودی ہیں ہیں۔ آج کے اس پرفتن دور میں جب مسلم ممالک کے خلاف ایک منظّم سازش کے تحت نفرتیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ دین اسلام کو ظلم، دہشت گرد، اسلامی نظام مملکت کو ناکام اور انسان دشمن قرار دیا جا رہا ہے' اس منظّم سازش کے پس پردہ دراصل یہودی لابی ہی سرگرم عمل ہے۔ اسلام دشمن قوتیں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے ہمیشہ سے مسلمانوں کے اندر سے اپنے حمایتی پیدا کرتی رہی ہیں اور افسوس اس بات کا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار بننے والوں کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی جماعت، ان کا ادارہ، ان کی ذات' اپنے مذہب کی، اپنے ملک کی یا اپنی قوم کی خدمت کر رہی ہے یا چند مفادات کی خاطر سب کچھ تباہ کر رہی ہے۔

اعظم سلطان صاحب! اسرائیل کی حمایت میں آپ ہوں، جناب ضیاء شاہد ہوں، کوئی اخبار ہو، کوئی مذہبی و سیاسی جماعت یا ان کا لیڈر ہو، برسر اقتدار طبقہ ہو یا کوئی ''مولوی اسرائیل'' ہو۔ ان کا یہ کردار مذہب، ملک و قوم کے مفاد میں ہے اور نہ ہی پاکستانی قوم کو قبول ہے۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس' تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462501

حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
واقعات ومشاہدات

حضرت امیر شریعتؒ سے پہلی ملاقات

خطیب العصر سالار احرار امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے چہرۂ انور کے دیدار کی پہلی مرتبہ سعادت عمدۃ العارفین الحاج سید مہربان شاہ بخاریؒ کے سالانہ اجتماع میں نصیب ہوئی، جو سالانہ عرس کے نام سے خانقاہ قادریہ مہربانیہ اکوڑہ خٹک میں منعقد کرتے تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے تین گھنٹے مسلسل ختم نبوت کے موضوع پر آیات واحادیث کی روشنی میں نادرۂ روزگار خطاب سے عظیم الشان اجتماع کو مسحور کر دیا تھا، جس میں صوبہ سرحد کے جیّد، ممتاز اکابر، مشائخ، علماء اور دانشور حضرات موجود تھے۔ میں نے اپنے استاد حضرت مولانا سید بادشاہ گل صاحب شیخ الجامعہ سے استفسار کیا کہ آپ نے کیسے امیر شریعتؒ کو عرس کی تقریب میں شرکتِ خطاب کی دعوت دی ہے جبکہ وہ عرس کے شدید مخالف تھے؟ حضرت شیخ الجامعہ مولانا سید گل بادشاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں خود تقسیم ہند سے قبل امرتسر جا کر حضرت امیر شریعتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو عرس میں شرکت کی دعوت پیش کی۔

حکمت وتدبیر اور وسعتِ ظرف

حضرت شاہ صاحبؒ ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں عرس کے موقع پر منکرات وبدعات اور خرافات کا شدید مخالف ہوں۔ میں نے عرض کیا: حضرت! میں تو آں محترم کو اس لیے دعوت دے رہا ہوں کہ آپ وہاں تشریف آوری فرما کر ختم نبوت کے مقدس اور اہم موضوع پر اہالیانِ سرحد کو محظوظ فرماویں اور آپ کو وہاں جو جو منکرات وخرافات نظر آئیں، ان کی پوری حریّت اور شرح صدر کے ساتھ تردید فرما کر نہی عن المنکر کا فریضہ زندہ فرماویں۔ میں خود فاضل دیوبند ہوں اور شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ادنیٰ تلمیذ اور خوشہ چین ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے چہرۂ انور پر بشاشت وانبساط کے آثار چمکنے لگے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اب میری دعوت کو شرفِ قبولیت سے نوازیں گے۔ کافی دیر تک مراقبہ کی صورت میں متفکر رہے۔ پھر سر مبارک اٹھا کر فرمانے لگے کہ کونسی تاریخ میں یہ اجتماع منعقد ہوگا؟ میں نے تاریخیں بتادیں۔ حضرت شاہ جیؒ نے انشرح صدر کے ساتھ وعدہ فرمایا۔ مجھے اپنے اسلاف واکابر کی وسیع الظرفی، جذبۂ دعوت وتبلیغ، اصلاحِ امت اور ردّ منکرات کے پاکیزہ احساسات وجذبات کا انداز ہوا۔ یہ مافوق العادۃ اخلاق وشمائل سے متصف بزرگانِ دین، بے جا تعصب اور نامناسب شدت وتصلب سے منزہ وپاک ہوتے

ہیں۔ان کے پیش نظر،اشاعت دین،اظہارحق،غلبۂ اسلام کے اہم مقاصدواہداف ہوتے ہیں۔

حضرت امیر شریعتؒ کا استقبال

حضرت شاہ جیؒ نے مقررہ تاریخ پر اپنے قدوم میمنت لزوم سے اہالیانِ سرحد کونوازا۔اشہارات اوراخبارات کے ذریعے حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کی خوشخبریاں پہلے سے شائع ہوگئی تھیں۔مقررہ اجتماع میں لاکھوں فرزندان توحید نے شرکت فرمائی۔ بندہ بھی اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن پر اپنے بڑوں کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے استقبال کے لیے حاضر ہوا تھا۔ریلوے سٹیشن میں بے پناہ ہجوم تھا۔مجلس احرار اسلام کے کافی رضا کار اپنے مخصوص لباس میں پورے نظم وضبط کے ساتھ محوانتظار تھے۔میرے والد بزرگوار حضرت مولانا سید قدرت شاہ صاحبؒ بھی مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن تھے۔ایک عجیب منظر تھا، دور سے ٹرین نے وسل دیا۔کچھ علماء کرام اور معتقدین حضرت شاہ جیؒ کے استقبال کے لیے راولپنڈی چلے گئے تھے۔وہ دور سے دروازہ میں اپنے رومال ہلا رہے تھے۔پتہ چلا کہ شاہ صاحبؒ اسی بوگی میں ہیں۔اکوڑہ خٹک کے ایک نوجوان عالم مولانا فضل من اللہ صاحب، جب شاہ صاحبؒ سے بغل گیر ہوئے،تو حضرت شاہ جیؒ نے فرمایا کہ ''آؤ! داڑھی تبدیل کریں ،آپ کا وقار بن جائے گا،میرا رعب بڑھ جائے گا'' پھر سٹیشن سے لے کر جلسہ گاہ تک حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک فقید المثال جلوس میں لایا گیا۔تمام راستے میں نعرہائے تکبیر،مجلس احرار اسلام زندہ باد،امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد،تاج و تختِ ختم نبوت زندہ باد،اور قادیانیت،مرزائیت مردہ باد کے فلک شگاف نعروں سے اکوڑہ خٹک کے راستے اور درودیوار گونج رہے تھے۔حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر رات ۱۲ بجے شروع ہوئی اور ٹھیک ۳ بجے سحری کے وقت پایۂ تکمیل تک پہنچی۔اللہ اکبر ،سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی عرش معلّٰی سے یہ آیتیں نازل ہورہی ہیں۔اکوڑہ خٹک کی خواتین اپنے گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر حضرت شاہ جیؒ کے ایمان پرور اور روح افزا خطاب سن رہی تھیں۔

بے مثال خطاب

دوسرے سال جب دوبارہ حضرت شاہ جیؒ کی تشریف آوری کی بشارتیں نشر ہوئیں،تو سرحد کے دور دراز علاقوں سے شیدایانِ اسلام پروانوں کی طرح اجتماع کے لیے حاضر ہوئے۔حضرت شاہ جیؒ جب سٹیج پر رونق افروز ہوئے،تو اس وقت سرحد کے ایک نادرۂ روزگار خطیب پروفیسر مولانا محمد ادریس صاحبؒ تصوف اور سلوک کے موضوع پر پشتو زبان میں پوری فصاحت، بلاغت اور سلاست کے ساتھ تقریر فرمارہے تھے، جو اپنے دور کے عظیم محقق اور مسلّم الثبوت سکالر تھے۔حضرت شاہ صاحبؒ ان کی تقریر کو پورے غوروخوض سے سن رہے تھے،ان کی تقریر کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کا اعلان کیا گیا۔حضرت شاہ صاحبؒ پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔حد درجہ بشاشت وانشراح کے ساتھ خطبہ شروع فرمایا۔خطبہ میں پورے دس منٹ صَرف ہوئے۔سب لوگ رورہے تھے۔میرے کانوں نے آج تک کسی بڑے سے بڑے خطیب کا ایسا دلکش،جاذبِ قلب وجگر خطبہ نہیں سنا۔

جب علم غلام ہو

خطبہ کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کی تعریف فرمائی۔فرمایا کہ مولانا ادریس صاحب کی سلاستِ زبان، فصیحانہ بلیغانہ اندازِ بیان نے مجھے پشتو زبان پر عاشق کر دیا ہے۔تصوف کے موضوع پر ان کی محققانہ تقریر کو میں سو فی صد سمجھ چکا ہوں۔میں نے ساتھیوں سے پوچھا کہ مولانا ادریس صاحب کا مشغلہ کیا ہے،تو مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک کالج میں پروفیسر ہیں۔مجھے حد درجہ صدمہ ہوا کہ ایسے محقق عالم دین اور کالج میں ملازمت.....علم جب غلام ہو جائے تو علوم اسلامیہ کی آزادانہ خدمت کیسے ہو سکے گی؟

مولانا ادریس صاحب! کسی دارالعلوم اور دینی مدرسہ میں اپنے محققانہ علوم و معارف سے تشنگانِ علوم کو سیراب فرمایا کریں۔یہ تین سو روپیہ میں آپ کو کہیں سے بھی مہیا کر کے ادا کرتا رہوں گا۔میں تو اتنا نکما نہیں ہوں،کہیں موذن بن کر یہ رقم جمع کر سکوں گا۔موذن کے ساتھ تو روٹیوں کی کمی نہیں ہوتی۔علماء دین اور خدام قرآن و حدیث کو اللہ تعالیٰ اتنی فراوانی کے ساتھ رزق عطا فرماتا ہے،جو کسی بڑے سے بڑے سرکاری آفیسر کو بھی مہیا نہیں،اس کے بعد پھر حضرت مولانا ادریس صاحب نے کسی جلسہ میں تقریر نہیں فرمائی،ان کی تفسیر ''کشاف القرآن'' پشتو زبان میں بہترین تفسیر ہے۔مولانا ادریس صاحب جہاز کے حادثہ میں شہید ہو گئے تھے،جو پاکستان سے مصر جا رہا تھا۔

مجھے عطر اور آپ لوگوں کو نصیحت

پھر شاہ صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی تقریر کا آغاز فرمایا۔چند جملوں کے بعد فرمایا کہ یہ بدبو کہاں سے آ رہی ہے؟ جلسہ گاہ کے قریب چمڑوں کے چھوٹے چھوٹے کارخانے تھے،جس سے بدبودار جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔فرمایا کہ آپ لوگوں نے ایسے مقدس اجلاس کو ''عطار خانہ'' میں منعقد کیا ہے۔کہیں کشادہ میدان میں ایسے منور اجتماع کا انتظام کرتے۔ایک صاحب نے فوراً حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو عطر گلاب کی ایک شیشی پیش کی۔حضرت شاہ صاحبؒ نے عطر کو اپنی مبارک داڑھی پر لگایا،فرمانے لگے چلو،مجھے عطر کی شیشی مل گئی اور آپ لوگوں کو نصیحت.....کہ آئندہ اس عطار خانے میں ایسے مذہبی اجتماعات منعقد نہ کیا کریں۔

علماء حق کا کردار

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے بزرگانِ دین اور علمائے اسلام کی قربانیوں کے واقعات سنائے۔اکابرین دیوبند کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے برطانوی سامراج کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔اپنی جانوں اور زندگیوں کو قربان کیا۔علماء کرام کا مقام بہت اونچا ہے۔ان کو انبیائے کرام علیہم التسلیمات کی دعوت و ارشاد کی میراث سے نوازا گیا ہے۔علمائے کرام کے لیے اس دار فانی میں آرام و راحت نہیں ہے۔ان کو ہر باطل سے ٹکرانے کے لیے علوم نبوت سے نوازا گیا۔

دشمن کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم

دوسرے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ دریائے کابل کے کنارے تشریف لے گئے، جو اکوڑہ خٹک کے شمال میں واقع ہے۔ کافی علماء اور مجلس احرار کے رضا کار کا ہجوم تھا۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ پر پستول کی کاٹی دیکھ کر ایک عالم نے حضرت شاہ جیؒ سے استفسار کیا کہ حضرت آپ اس دفعہ پستول لے آئے ہیں۔ فرمایا:

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّ كُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْ نِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان دشمنان اسلام کے دھمکانے اور ڈرانے کے لیے ہر قسم کا اسلحہ اور قوت مہیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے قوت کی تفسیر میں فرمایا ''الا ان القوہ الرمی '' الرمی کا کلمہ اتنا جامع و مانع ہے کہ اس میں اسلحہ کی تمام اقسام داخل ہیں۔ تیر اندازی سے لے کر پستول، بندوق، ٹینک، جنگی جہازوں کی بمباری اور جدید سے جدید جنگی آلات اس میں شامل ہیں۔ ترھبون، ارھاب سے ہے۔ ارھاب کا معنی ڈرانا، پدکانا، چرکانا، یرکانا ہے پھر شاہ صاحبؒ نے اس میں کافی تفصیل فرمائی۔ ارھاب کے معنی اردو اور پنجابی میں بیان کئے پھر ہم سے پوچھنے لگے کہ ارھاب کے معنی پشتو زبان میں کیسے کریں گے؟ شاہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ ایک کلمہ کی تحقیق میں مختلف زبانوں کے ترجمے فرمایا کرتے تھے۔

لَا لِنَفِی الْجِنْسَ کا مسئلہ

ایک دفعہ ''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' کی تشریح میں فرمانے لگے، لاالنفی الجنس ہے۔ یہ جب کسی کلمے پر داخل ہو جاتا ہے، تو اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے۔ لا رجل فی الدار کا معنی ہے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ کارچ کوئی جنڑ انیئگا، درخانہ ہیچ مرد نیست، پھر پوچھا پشتو میں کیا معنی کریں گے۔ ایک عالم نے جواب دیا..... '' کو رکښ چوک سرے نشتہ ''..... پھر فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایک بھکاری نے ایک گھر کے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی کہ اللہ تمہارا بھلا کرے، میں مسافر بھوکا ہوں، مجھے کچھ دال بھاجی دیدو، تو گھر کے اندر سے ایک آدمی نے جواب دیا کہ سائیں جی، گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے، تو فقیر نے کہا کہ بھائی آپ دو منٹ کے لیے آدمی بن کر مجھے روٹی لا دیں۔ کیا آپ خسرے اور ہیجڑے ہیں؟۔ فرمایا کہ اے علماء کرام! لا کا کلمہ مجھ سے سیکھو۔ دیگر مسائل میں آپ حضرات سے سیکھوں گا، میں نے لا میں تخصص کیا ہے۔ میں نے مسئلہ ختم نبوت کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ ختم نبوت کے منکر قادیانیوں کو برٹش سامراج کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ فتنہ پوری قوت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اگر علماء و مشائخ نے ذرا بھر بھی تکاسل و تغافل سے کام لیا تو لاکھوں فرزندان توحید کو یہ قادیانی فتنہ اپنے ارتدادی سیلاب میں بہالے جائے گا۔

امیر شریعتؒ کا عربی خطبہ تقریر

دارالعلوم حقانیہ، جو پاکستان کے بڑے اہم اسلامی مراکز میں ایک امتیازی، دینی اور علمی ادارہ ہے۔اس کے بانی و مہتمم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر حضرت امیر شریعتؒ کئی بار دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسۂ ہائے دستار بندی میں تشریف لائے تھے۔ایک بار حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر فرما رہے تھے۔اچانک بجلی فیل ہوگئی۔سٹیج پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ جلوہ افروز تھے۔حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ، ضیغمِ اسلام، شیر سرحد حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ اور دیگر بے شمار علماء موجود تھے۔حضرت مولانا لاہوریؒ نے شاہ جیؒ کو مخاطب کیا۔فرمایا: ''حضرت شاہ جیؒ! تشریف لائیں۔'' حضرت شاہ جیؒ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔حضرت مولانا لاہوریؒ کرسی سے اترے اور حضرت شاہ جیؒ کو کرسی پر بٹھایا۔شاہ جیؒ نے اپنے خصوصی انداز میں خطبہ شروع کیا۔شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہٗ نے آوازِ داؤدی سے نوازا تھا۔وہ ایک عجیب، دلکش روح پرور اور نرالے انداز میں خطبہ پڑھتے تھے۔قرآن مجید کی آیت بھی قرأت و تجوید اور خوش آوازی سے تلاوت فرمایا کرتے تھے:

الحمد للہ الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ، و نستغفرہ، و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، و من نشھد ان لاالہ الااللہ وحدہ، لا شریک لہ ولانظیرلہ ولا مثیل لہ و نشھد ان سیدنا و سندنا و شفیعنا ومولانا امام الا تقیاء وسیدالانبیاء امام المتقین وسید المرسلین وخاتم النبیین بالیقین محمدا، امام المتقین و سید المرسلین و خاتم النبیین بالیقین محمدا عبدہ و رسولہ ولانبی بعدہ ولا رسول بعدہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہٖ وبارک وسلم

یا رب صل و سلم دائماً ابداً — علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم
محمد سید الکونین و الثقلین — والفریقین من عرب و من عجم
جاء ت الدعوتہ الاشجار ساجدۃً — تمشی الیہ علی ساقٍ بلا قدم

و قال حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فی مدح النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم

وأحسن منک لم ترقط عینی
وأجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراً من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

اما بـعـد، فأعوذ باللّٰہمن الشیطن الرجیم ، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ما کان محمداً أبا احد من رجـالـکـم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین و کان اللّٰہ بکل شئیٍ علیما ، لما نزلت ھذہ الآیة الکریمة قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم :أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی ،ولا رسول بعدی،ولا اُمة بعدکم ،صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العالمین.

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ دروے بود قیل و قالِ محمد

☆☆☆

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

حضرت امیر شریعتؒ کا خطاب

صدرِ محترم، بزرگانِ ملت، برادرانِ عزیز! عام دستور کے مطابق اب جلسہ برخاست ہونے کا وقت ہے۔ پنجاب کے جلسے عموماً (رات کو) بارہ بجے ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر پٹھانوں کے جلسے نرالے ہیں، اب میری تقریر کی ابتداء ہے۔

حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور امت آخری امت ہے

حضرات! میں نے کئی احادیث کے جملوں کو جمع کر کے بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، حضرت محمد ﷺ نہیں ہیں تمہارے باپ، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی وابدی میں تھا کہ آئندہ زمانہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوت آئیں گے۔ دجالین، کذابین پیدا ہوں گے۔ اللہ نے اپنی ازلی ابدی کتاب قرآن مجید میں پہلے ہی سے متنبہ فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین ہوں گے۔ اللہ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور تم آخری امت ہو، تمہارے بعد کوئی امت نہیں آئے گی۔

مسئلہ ختم نبوت کی ترجیح کیوں؟

حضرات! آج ہماری جماعت، مجلس احرار اسلام مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ میں لگی ہوئی ہے۔ فتنہ مرزائیت اور قادیانیت کے دجل وفریب اور دسیسہ کاریوں کی دھجیاں اڑانے کے درپے ہوگئی ہے۔ بہت دنوں سے مسئلہ ترجیح میں پھنسا ہوا ہوں۔ ترجیح کے معنی کسی ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت اور فوقیت دینے کے ہیں۔ اس پر آشوب دور میں ترجیح کے قابل وہ مسئلہ ہے، جس پر ہماری جماعت احرار اسلام مصروف عمل ہے۔ میں دینی مدارس ومعاہد دارالعلوموں اور مذہبی تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کا منکر نہیں۔ مگر ان تمام شعبوں کا بنیادی مسئلہ، تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ تبلیغ کا پہلا اور سب سے اہم شعبہ ہے

۔جس کا انکار قرآن وحدیث کے انکار اور بیخ کنی کے مترادف ہے۔

علماء،صوفیاء اور مشائخ کو انتباہ

ختم نبوت کے اسی اساسی عقیدہ میں اگر ذرہ بھر بھی فرق آ جائے تو ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔میں دارالعلوم حقانیہ کے اس عظیم الشان ،فقید المثال اجتماع میں علماء ومشائخ کے سامنے اپنے رنج وغم اور دکھ و درد کا بھرا ہوا پیغام سنانے آیا ہوں۔فیضی کا شعر جو بچپن سے یاد ہے' بے دریغ زبان پر آیا:

یا با خبری ازخود و ازہر دو جہان
یا بے خبری از خود و ازہر دوجہان

☆☆☆

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

محترم علماء کرام ،معزز مشائخ عظام ،گدی نشین حضرات! آپ کو کیا خبر؟ قادیانیت ومرزائیت کا خطرناک فتنہ کتنی تیزی اور قوت واشتعال کے ساتھ ہمارے پاکستان میں پھیل رہا ہے۔برطانیہ کے اس خود کاشتہ پودے کے سر پر اب بھی برطانیہ کا ہاتھ ہے۔آپ اس فتنہ کو معمولی سمجھتے ہوئے اپنے درس وتدریس میں مصروف ،صوفیائے کرام اور گوشہ نشین حضرات اپنے خلوت خانوں میں بیٹھ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔دنیا سے قطع تعلق اور کنارہ کشی کو اپنا منتہائے مقصود اور ذریعہ فلاح سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے! ہم نے تو تبلیغ کا ٹھیکہ نہیں لیا۔میں اکیلا تو دعوت وارشاد پر مامور نہیں بلکہ میں بھی رجل منکم ہوں۔

قادیانیت کے ایمان سوز جرائم

میرے محترم علماء کرام! آپ حضرات کو معلوم نہیں۔قادیانی مبلغین پوری جسارت اور دیدہ دلیری سے سادہ لوح ،ان پڑھ مسلمانوں کو قادیانی بنا رہے ہیں۔اگر بزرگانِ ملت اور علماء کرام' اس فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو قادیانیت کے ایمان سوز جراثیم تمام عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لے لیں گے۔(دوران تقریر دور سے ایک آدمی نے آواز دی ۔حضرت! آواز نہیں پہنچ رہی۔حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ میری آواز ضرور پہنچے گی۔اس نے دوبارہ کہا کہ آواز نہیں پہنچ رہی۔شاہ جیؒ نے فرمایا کہ آپ مجھے ٹھیک جواب دے رہے ہیں اور شکایت کر رہے ہیں کہ آواز نہیں پہنچتی۔فرمایا کہ میں ابھی کراچی میں ایک عظیم اجلاس میں بغیر لاؤڈ سپیکر کے خطاب کر آیا ہوں۔جس میں اسی ہزار کے لگ بھگ لوگ موجود تھے:

''ہمیں میداں ،ہمیں چوگاں ،ہمیں گو''

آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری آواز کو دور دراز تک پہنچائے' فرمانے لگے۔یہاں خبیث ارواح موجود ہیں۔یہاں مجھے

قادیانیت کے جراثیم محسوس ہو رہے ہیں۔ یہ ان خبیثوں کی خباثت ہے بجلی کے کنکشن کو کاٹ دیا ہے۔ (واقعی' حضرت شاہ جیؒ کی ایمانی فراست درست نکلی۔ ان دنوں اکوڑہ خٹک کے پوسٹ آفس میں جو پوسٹ ماسٹر تھا' وہ قادیانی تھا) جوں جوں رات گزرتی جارہی تھی۔ حضرت امیر شریعتؒ کی آواز میں ایک خاص قسم کا جلال اور گھن گرج بڑھتا جارہا تھا۔ ایک عجیب ایمان افزا اور روح پرور منظر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہو رہی تھی)

امیر شریعتؒ.....نادرۂ روزگار خطیب

حاضرین جلسہ محسوس کر رہے تھے کہ تاجدارِ مدینہ رحمتِ کائنات ﷺ کا یہ نواسہ، مردِ قلندر' مسئلہ ختم نبوت میں فنائیت کے درجہ میں پورے اخلاص وللہیت کے ساتھ، دل کی گہرائیوں سے یہ کلام نکال رہا ہے۔ اس لیے لوگوں کے قلوب میں نازل ہو رہا ہے۔ ردّ قادیانیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے علماء حق کا ایک جم غفیر پیدا فرما دیا تھا۔ مگر شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہ نے قادیانیت کے شجرۂ خبیثہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے جس نادرۂ روزگار خطابت سے نوازا تھا۔ وہ انہی کا حق اور انہی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و بیانات کو جس جاذبیت اور مقناطیسی کشش واثر سے نوازا تھا' وہ کسی اور خطیب کی تقاریر میں نہیں تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لیے شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، قطب العالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، زینت العارفین شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، یادگارِ اسلاف حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ اور دیگر سینکڑوں اولیاء عباد الرحمٰن' دن رات دعائیں کرتے تھے۔ وہ ہر باطل کے لیے ایک سیف مسلول تھے۔ ان کی ایک ہی تقریر دیگر علماء کرام کے کئی تقاریر پر کئی درجہ وزنی ہوتی تھی۔

سلفِ صالحین کا جہادِ مسلسل

اے! تصوف کس کا؟ ابوبکرؓ کون تھے؟ کیا وہ تقویٰ، زہد وقناعت، عزیمت وایثار کے امام نہ تھے؟ عمرؓ کون؟ عثمانؓ کون؟ اور علیؓ کون؟ عباسؓ اور ابن عباسؓ کون؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ کون؟ امام مالکؒ کون؟ امام شافعیؒ کون؟ امام احمد بن حنبلؒ کون؟ کون شیخ عبدالقادر جیلانیؒ؟ کون گنج بخشؒ؟ کون محی الدین چشتی اجمیریؒ؟ کون شمس تبریزؒ؟ کون حسنؓ، کون حسینؓ؟ کون کوئی جس پر رضی اللہ عنہ، رحمۃ اللہ علہ کہا جائے.....کیوں.....؟ یہ نفوس قدسیہ عارفین باللہ نہ تھے، رئیس الصوفیاء نہ تھے۔ یہ سلسلہ سالکینِ رشد وہدایت کے سادات نہ تھے۔ کیا ان صحابہ کرامؓ اور بزرگوں نے فریضۂ تبلیغ چھوڑ کر گوشہ نشینی کو اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اس کی سرکوبی کس نے کی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کے استحصال کے لیے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بھیجی۔ جنہوں نے مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کو تہ تیغ کر کے دنیا کو اس فتنہ سے نجات دی۔ ابوبکرؓ نے تو ان لوگوں سے بھی جہاد کرنے تہیہ کر لیا تھا۔ جو زکوٰۃ دینے پر ہچکچا رہے تھے۔ اب تو مرزائیوں نے اسلام کے بنیادی مسئلہ' ختم نبوت پر حملہ کیا ہے۔

مولانا محمد مغیرہ
(خطیب جامع مسجد احرار، چناب نگر)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قادیانی گستاخیاں

انبیاء کے بعد ایک مبارک طبقہ ایسا ہے جو انتخاب الٰہی ہے۔ جن کو اللہ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی صحبت کے لیے چنا اور منتخب کیا۔ اصحابِ رسول ﷺ کے ایک ایک فرد کی ہمہ قسم تربیت اللہ نے اپنے آخری رسول ﷺ سے بذریعہ وحی کرائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود اصحاب رسول ﷺ کے ہر فرد کا امتحان لیا اور کامیابی کی سند عطا فرمائی۔ ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان کو ان کے دلوں میں مزین کر دیا۔ نیز یہ بھی کہ کفر، گناہ اور نافرمانی کی ان کے دلوں میں نفرت ڈال دی۔ چونکہ یہ خدائی منتخب کردہ جماعت تھی۔ اس جماعت کو اللہ نے اپنی جماعت قرار دیا اور تمام اصحابِ رسول ﷺ کو اپنی خصوصی رضا کا تمغہ عنایت فرما کر جنت عطاء کرنے کا وعدہ فرمایا نیز فلاح پانے والی، کامیاب ہونے والی جماعت قرار دیا اور کائنات اس کی گواہ ہے کہ جو کامیابیاں اور کامرانیاں اصحابِ رسول ﷺ کے مقدر میں تھیں، کسی کو نصیب نہیں ہوئیں اور یہ سارا تربیتی اہتمام اس لیے کیا گیا کہ سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو رہا ہے اور یہ بار امانت جس جماعت کے سپرد کرنا ہے، انہیں واقعی ایسے ہی ہونا چاہیے کہ اصحابِ رسول ﷺ نے اس امانت کو ایسے سنبھالا اور اس دین کی اس قدر خدمت کی اور قرآن و حدیث کی روح سے دین اسلام کی عمارت کو اس قدر مضبوط کیا کہ قیامت کی صبح تک اس میں کسی قسم کی کمزوری واقع نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس پاکیزہ جماعت کو آسمانِ ہدایت کے ستارے قرار دیا اور فرمایا کہ امت ان میں سے جس کی بھی اتباع کرے گی، کامیاب ہو جائے گی اور ارشاد فرمایا صحابہ کو تکلیف پہنچانا محمد ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہے اور مجھ محمد ﷺ کو تکلیف دینا اللہ کو تکلیف دینے کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب پر طعن کرنے والے کو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے لیکن دنیا میں ایسے بھی ازلی بدبخت ہیں جو اس پاکیزہ و مقدس جماعت کے خلاف زبانیں کھولتے ہیں انہی نامرادوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے، جس کی بدبختی کا اظہار اس کی تحریروں میں اس طرح ہے:

۱) ''میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابوبکر کے درجہ پر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر کیا وہ تو بعض انبیاء سے بہتر ہے۔'' (''مجموعہ اشتہارات''۔ جلد سوم، ص ۲۷۸)

۲) ''پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو، اب نئی خلافت لو، ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ کی تلاش کرتے ہو۔''
(''ملفوظاتِ احمدیہ''۔ جلد ۲، ص ۱۴۲)

۳) ''جو میری جماعت میں داخل ہوا، درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔''
(''روحانی خزائن''۔ جلد ۱۶، ص ۲۵۹۔۲۵۸)

۴)''ابو ہریرہ جو غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا۔''

۵)''بعض کم تدبر کرنے والے صحابہ جن کی درایت اچھی نہ تھی جیسے ابو ہریرہ۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۲۲'ص۳۶)

۶)''اکثر باتوں میں ابو ہریرہ بوجہ اپنی سادگی اور کمی درایت کے ایسے دھوکہ میں پڑ جایا کرتا تھا' ایسے الٹے معنیٰ کرتا تھا جس سے سننے والے کو ہنسی آتی تھی۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۲۲'ص۳۶)

۷)''جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے' اس کو چاہیے کہ ابو ہریرہ کے قول کو ایک ردّی متاع کی طرح پھینک دے۔''

(''روحانی خزائن''۔جلد۲۱'ص۴۱۰)

۸)''میں (مرزا) خدا کا کشتہ ہوں لیکن تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۱۹'ص۱۹۳)

۹)''اے قوم شیعہ! اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے کہ اس حسین سے بڑھا ہوا ہے۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۱۸'ص۲۳۳)

۱۰)''کربلائے است سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم''

میری سیر ہر وقت کربلا میں ہے۔میرے گریبان میں سو حسین ہیں۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۱۸'ص۴۷۷)

۱۱)''تم نے خدائے جلال و مجد کو بھلا دیا اور تمہارا ورد صرف حسین ہے۔کیا تو انکار کرتا ہے۔پس یہ اسلام پر ایک مصیبت ہے ۔کستوری (مرزا) کی خوشبو کے پاس گوہ کا ڈھیر ہے۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۱۹'ص۱۹۴)

۱۲)''حق بات یہ ہے کہ ابن مسعودؓ ایک معمولی انسان تھا۔'' (''روحانی خزائن''۔جلد۳'ص۴۲۲)

۱۳)''حضرت معاویہ بھی تو صحابی ہی تھے' جنہوں نے خطا پر جم کر ہزاروں آدمیوں کے خون کرائے۔''

(''روحانی خزائن''۔جلد۳'ص۴۲۲)

۱۴)''بعض الہامات میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اس عاجز (مرزا) کے خون کی بنی فاطمہ کے خون سے آمیزش ہے اور درحقیقت وہ ''کشف براہین احمدیہ''ص۵۰۳ کا ہے جس میں لکھا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میرا سر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مادر مہربان کی طرح اپنی ران پر رکھا ہوا ہے۔'' (''روحانی خزائن''۔ص۲۰۲)

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مرزا قادیانی نے اللہ کے محبوب بندوں اور مؤمنین کاملین کی شان میں کس قدر گستاخی اور ہرزہ سرائی کی ہے۔آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ گفتگو کسی شریف آدمی کی ہوسکتی ہے؟ یہ تحریریں اگرچہ ناقابلِ اشاعت ہیں۔ہم نے قادیانیوں کے دجل کو طشت از بام کرنے کے لیے انہیں نقل کیا ہے۔قادیانی حضرات ان تحریروں کو بغور پڑھیں اور مرزا قادیانی کے بارے میں اپنے عقیدے پر نظر ثانی کریں اور ہدایت قبول کریں۔نیز وہ مسلمان جو قادیانیوں کی نام نہاد شرافت سے متاثر ہو کر ان کے اخلاق کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں اور ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں وہ بھی ان تحریروں کو پڑھ کر اپنا قبلہ درست کریں اور ہدایت کے راستہ پر آجائیں۔

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

شیخ عبدالمالک مرحوم

۱۹۶۸ء میں، میں تعلیمی بورڈ لاہور سے ٹرانسفر ہو کر ملتان آیا تو اپنے اعزّہ میں، جس شخصیت سے اپنے دل و دماغ کو زیادہ متاثر پایا، وہ میرے مشفق، میرے بزرگ شیخ عبدالمالک تھے۔ ملتان کی معروف شخصیت، سابق امیر جماعت اسلامی، قد کے اعتبار سے بالا نہ پست، رنگ گہرا گندمی، ہنستے ہوئے گول چہرے پر مسجع داڑھی، شربتی آنکھیں کہ آہوانِ صحرا دیکھ لیں تو چوکڑی بھول جائیں، سفید شلوار قمیض، کریم رنگ کی واسکٹ، سر پہ ٹوپی، دل کے نرم، ہاتھ کے سخی، شریف النفس مرنجاں مرنج، مزاج شستہ و رفتہ، ہر کام میں ایک وضع داری، ہر چیز کا حساب رکھنے کے عادی، طبیعت میں درویشی، نگاہ میں دور اندیشی، چار چول چوکس، بات ناپ تول کر کرتے، مشفق و مہربان اتنے کہ کئی غریب اور یتیم بچے ان کے ہاں پرورش پا کر نکلے۔ میں خود شیخ صاحب کا احسان مند ہوں کہ میرا پہلا ایم اے ان ہی کی لائبریری کا مرہون منت ہے۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا..... ہر حالت میں سچ بولنے کی عادت..... دشمن سے حتی الوسع صرفِ نظر..... لالچ، فریب، جھوٹ، چالاکی سے نفرت..... دوسرے کے دکھ درد کا احساس اور ہر ایک کی عزتِ نفس کا پاس..... اپنا کام خود کرنے کا شوق ..... وہ کہا کرتے کہ ٹائلٹ سے ہو کر جو بھی آئے، پانی والا لوٹا بھر کر آئے، ہوسکتا ہے بعد میں آنے والا زیادہ ضرورت مند ہو..... بے وقت آنے والا مہمان نہیں ہوتا۔ وہ اپنا گھر سمجھ کر آتا ہے۔ مہمان وہ ہوتا ہے جو بتا کر آئے..... وہ مہمان سے کھانے کے لیے صرف ایک دفعہ پوچھتے..... خلاف شرع مجلس میں نہ جاتے..... ایک دفعہ ان کے رشتے کے ایک بھائی کے بیٹے کی شادی تھی جو پولیس کے ریٹائرڈ انسپکٹر تھے۔ شیخ صاحب نے پہلے کہہ دیا اگر بارات میں بینڈ باجا ہوا تو میں نہیں آؤں گا اور نتیجتاً شیخ صاحب نے شرکت نہ کی۔ اس بات پر وہ ریٹائرڈ انسپکٹر، شیخ صاحب سے ساری عمر ناراض رہے۔

ایک دفعہ بیماری کے دوران، میں اور برادرِ محترم سید محمد کفیل بخاری عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ باتوں کے دوران کفیل شاہ جی نے راقم کے بارے میں کہا کہ حبیب صاحب ہمارے بہت اچھے دوست ہیں۔ شیخ صاحب نے جواب دیا ''دوست ہوتے ہی اچھے ہیں''

شیخ صاحب کے لباس پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ کفیل شاہ جی نے چیونٹیاں صاف کرنا چاہیں۔ شیخ صاحب نے کہا ''انہیں کچھ نہ کہیں، میری ان سے صلح ہے۔ یہ آتی ہیں اور اپنے حصے کی کھانے کی چیز، روٹی بسکٹ وغیرہ کے گرے ہوئے ریزے چن کر چلی جاتی ہیں، میرا کیا نقصان کرتی ہیں۔ میرا ان کا معاہدہ ہو چکا ہے کہ انہیں میں کچھ نہیں کہوں گا یہ مجھے کچھ نہیں کہیں گی.....!''

شیخ صاحب نے تقسیم ہند سے پہلے کا اپنا ایک واقعہ سنایا ''بستی بُچ لکڑ منڈی میں' میرے اسی مکان کے سامنے ایک ٹال میں مرزائیوں نے جلسہ کیا۔ جس میں ایک مرزائی عبدالکریم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''جو آدمی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کو مانتا ہے اور حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ اسی طرح جو آدمی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب کو نبی مانتا ہے مگر غلام احمد قادیانی پر ایمان نہیں رکھتا وہ بھی کافر ہے۔'' میں اس بات پر کڑھتا رہا، تڑپتا رہا۔ میری برادری کا قادیانی طبقہ بہت طاقت ور تھا۔ اُس وقت میرا تعلق مجلس احرار اسلام سے تھا۔ آخر میں نے ''ہر چہ باداباد'' کا نعرہ لگا کر اس وقت کی محبوب شخصیت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے رابطہ کر کے' جلسے کا اعلان کر دیا۔ میرے مکان کے سامنے کھلا میدان تھا۔ یہیں جلسہ ہونا تھا۔ قادیانیوں اور انگریز کے دیگر ٹوڈیوں نے حکامِ شہر کو بھڑکایا' نتیجتاً ملتان کے انگریز ڈی سی نے جلسہ پر پابندی لگا دی۔ احرار کارکن بپھر گئے اور ہر صورت میں جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے انتظامیہ نے بلایا اور حکومتی فیصلے سے مطلع کیا۔ میں نے برملا کہا کہ اب تو جلسہ ہو کر رہے گا۔ احرار کارکن سرخ قمیضیں پہن کر بڑی تعداد میں جلسہ گاہ پہنچ گئے اور جلسہ شروع ہو گیا۔ جانباز مرزا مرحوم نے اپنی نظم سے جلسے کا آغاز کیا۔ مولانا محمد حیاتؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کو بھی پہلی دفعہ سنا۔ آخر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا ''ختم نبوت ہمارے دین کی بنیاد ہے..... ہماری سیاست ہمارا دین ہے.....' پھر شاہ جیؒ نے نبی کریم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے اور اس کے بعد مرزا قادیانی کی خرافات دہرائیں۔ اور قادیانیوں کو للکارتے ہوئے کہا کہ جب بھی اس دھرتی پر کوئی مسیلمہ کذاب سر اٹھائے گا اس پر صدیق اکبرؓ کی سنت پوری کی جائے گی.....! جلسہ رات دو بجے ختم ہوا۔

شیخ صاحب مرحوم کو حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سے بہت عقیدت تھی۔ میں اور کفیل بخاری جتنی دیر اُن کے پاس بیٹھے رہے' وہ وقفے وقفے سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور مجلس احرار اسلام کی دینی خدمات کا تذکرہ کرتے رہے۔ انہیں اپنے ماضی اور حال دونوں پر فخر تھا کہ ان کا تعلق دعوتِ دین کا کام کرنے والی شخصیات اور جماعتوں سے رہا۔ وہ دل دردمند رکھنے والے ایک سچے مسلمان تھے۔

ماہنامہ ''خطیب'' لاہور میں جناب عبدالوحید سلیمانی نے شیخ صاحب کا ایک ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے۔

''شیخ عبدالمالک مرحوم بہت وضعدار اور مجلسی شخص تھے۔ سچ پوچھیں تو ملتان کے روحِ رواں تھے۔ پاکستان بننے سے بہت پہلے ان کی ذاتی سواری تھی۔ امیر کبیر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ گھر کا ماحول اگرچہ قدرے مختلف تھا مگر نماز روزے کے پابند تھے اور سچی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اہل خانہ وقتاً فوقتاً داڑھی صاف کرانے کا بھی کہتے رہتے لیکن یہ اپنے دھن کے پکے تھے۔ اسی دوران ان کی شادی کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ صرف بات ہی طے نہیں ہوئی بلکہ شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ اب گھر والوں کا دباؤ بڑھ گیا' کہ داڑھی صاف کراؤ۔ لیکن یہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے سے اڑا دیتے۔ اگلے روز شادی تھی سارا دن کام میں مصروف رہے اور رات گئے تھک ہار کر سو گئے۔ گھر والوں نے موقع غنیمت سمجھا اور قینچی سے ایک طرف کی داڑھی کاٹ

دی۔صبح اٹھے،احساس ہوا کہ ان کے ساتھ واردات ہوگئی ہے لیکن بولے کچھ نہیں‘لبوں کو سی لیا۔جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔گھر والے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے ہو رہے ہیں لیکن شیخ صاحب سب سے بے نیاز اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔گھر والوں کا خیال تھا کہ ایک طرف کی داڑھی صاف ہوگی تو دوسری طرف داڑھی وہ خود صاف کرالیں گے لیکن یہاں کچھ آثار ہی نظر نہیں آ رہے تھے۔اب بہنوں نے منتیں شروع کر دیں۔والدین نے کہا کہ ایک دفعہ داڑھی صاف کرانے میں کیا حرج ہے۔اب صاف کرواور ساتھ ہی نیت کرلو داڑھی رکھنے کی۔لیکن شیخ عبدالمالک نے ایک ہی جواب دیا کہ میں نے داڑھی فیشن کے طور پر نہیں رکھی‘سنت سمجھ کے رکھی ہے نہ میں اسے کٹوا سکتا ہوں نہ منڈوا سکتا ہوں اسی طرح بارات لے کر جاؤں گا اور ہوا بھی ایسا ہی۔دلہا بن کر اس شان کے ساتھ جا رہے ہیں کہ دائیں طرف داڑھی سے مزین ہے اور بائیں طرف کچھ کٹی ہوئی ہے۔اللہ اللہ ایسا دولہا کس نے دیکھا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ صاحب کو بیوی بھی خدمت گزار اور سخی عطا کی تھی۔ان کا ایک واقعہ شیخ صاحب کی زبانی تحریر ہے:

''ایک دفعہ میں گھر سے باہر تھا۔تین چار میرے ملنے والے آ گئے،دروازہ کھٹکھٹایا اور بتایا کہ ہم ڈیرہ غازی خاں سے آئے ہیں اور یہ جواب سن کر کہ شیخ صاحب گھر پر نہیں ہیں‘واپس جانے لگے تو میری بیوی نے کہا نہیں! میں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔آپ مردان خانے میں تشریف رکھیں۔شیخ صاحب تنہا باہر گئے ہیں‘گھر کا آٹا تو ساتھ لے کر نہیں گئے۔''

شیخ صاحب کی بیوی کی وفات پر ایک دوست نے تعزیت کی تو کہنے لگے۔ہاں سنا تھا کہ:

''بچوں کی ماں نہ مرے اور بوڑھے کی بیوی نہ مرے!''

کچھ عرصہ پہلے جب میں ان کی عیادت کے لیے ان کے ہاں گیا تو دیکھ کر رنجیدہ ہوا کہ شیخ صاحب بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ان کی عمر اس وقت نوّے سال کے لگ بھگ ہوگی۔کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔کہنے لگے حبیب! آج تم نے میرا چپ کا روزہ کھلوا دیا ہے۔غالب نے خوب کہا ہے:

موت کا ایک دن معیّن ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں　　ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی　　موت آتی ہے پر نہیں آتی

مہینوں سے طبیعت اتنی بیزار ہو چکی ہے کہ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔بچوں کو بلانے کے لیے پلنگ کے ساتھ گھنٹی لگوا لی ہے۔والد صاحب کہا کرتے تھے کہ بڑھاپے میں دو چیزوں کا خیال رکھنا۔ایک تو کسی کو آواز نہ دینا کہ جواب نہ آنے پر دکھ ہوگا۔دوسرے ضرورت کی چیز اپنے پاس رکھنا۔پوچھا کہ ضرورت کی چیز کون سی ہے۔کہنے لگے۔پانی کے دو برتن۔ایک پینے کے لیے اور دوسرا آب دست۔

کہنے لگے ''تنہائی ڈستی ہے۔چل پھر نہیں سکتا۔اکیلے پڑے پڑے اکتا گیا ہوں۔'' میں نے کہا: ''وہ بے نیاز ہے، بے پروا ہے، وہی مالک ہے، اسی سے آسانیاں مانگتے رہنا چاہیے۔باقی وہ جس حال میں رکھے اس کی مہربانی۔اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔وہ سب سے پوچھ سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنا آموختہ سنایا کہ:

''رسول پاک ﷺ کے پاس ایک صحابیہ (رضی اللہ عنہا) آئیں، وہ مرگی کی مریضہ تھیں۔عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ)! میں بہت تکلیف میں ہوں، دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے اس موذی مرض سے نجات دے۔'' آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور پھر جھٹک دیئے۔اس مائی صاحبہ سے فرمانے لگے: ''کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس تھوڑے عرصے کی تکلیف کے عوض بخش دے۔'' صحابیہؓ یہ سن کر واپس چلی گئیں۔''

شیخ صاحب یہ واقعہ سن کر کافی دیر روتے رہے۔

شیخ صاحب اردو، فارسی کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔بلا کا حافظہ پایا تھا۔میں نے پوچھا: ''نوّے سالہ زندگی کیسے گزری؟'' کہنے لگے

موئے سیاہ بہ ہوس کردم سفید
موئے سفید بگناہ کردم سیاہ

(میں نے حرص وہوس میں جوانی کے سیاہ بال سفید کئے اور پھر ان سفید بالوں پر جرم وگناہ کی سیاہی مل لی۔)

آج شیخ صاحب کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً تین مہینے گزر چکے ہیں مگر اُن کی یاد ہمارے دلوں میں آج بھی باقی ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ شیخ صاحب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔اُن کی لغزشوں سے درگزر کرتے ہوئے اُن کے ساتھ رحمت والا معاملہ فرمائے۔(آمین)

عمر فاروق ہارڈ ویئر اینڈ مل سٹور

عمارتی وصنعتی سامان، ہارڈ ویئر، پینٹس، ٹولز، بلڈنگ میٹریل
گورنمنٹ سے منظور شدہ کنڈے، باٹ و پیمانہ جات

صدر بازار، ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462483

سید محمد کفیل بخاری

قمر الحق قمر مرحوم

۱۹۶۵ء میں، میری والدہ ماجدہ ہم بہن بھائیوں کی تعلیم کے لیے جامعہ خیر المدارس ملتان میں رہائش پذیر ہوئیں۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی شفقتوں، محبتوں اور احسانات کے زیر سایہ ہم پلے، بڑھے اور پڑھے۔ وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بہت ہی قابل احترام دوستوں میں سے تھے۔ مولانا اور شاہ جی کا تعلق مثالی تھا۔

قمر الحق قمر میرا بچپن کا دوست تھا۔ وہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا پوتا، مولانا عبدالحق جالندھری رحمہ اللہ کا بیٹا اور نجم الحق کا بڑا بھائی تھا۔ ۱۹۷۰ء میں ہم دونوں نے اکٹھے حفظِ قرآن کی تکمیل کی۔ میانہ قد، اکہرا بدن، (اب کچھ فربہ ہوگیا تھا) روشن آنکھیں، عینک کے شیشوں سے جھانکتی، کچھ سوچتی اور کچھ بولتی ہوئیں، سرخ و سفید رنگ (بیماری کی وجہ سے اب سرخی عنقا اور سفیدی باقی تھی) شگفتہ اور ہنس مُکھ چہرہ، خلوت و جلوت دونوں کا ساتھی مگر محفل دوستاں کا رسیا، کم گو مگر جب بولتا تو بے دھڑک سچی بات منہ پر کہہ دیتا، خلوص کا پیکر، منافقت سے بیزار، غضب کا محنتی، کام کا دھنی، طبیعت میں تواضع، مزاج میں تمکنت، لہجے میں انکسار، عام لباس قمیص اور شلوار پہنے وہ چلتا تو اُس کی بے نیازی کا ایک خاص انداز قابل دید ہوتا، دوستوں کا جگری دوست، دوستوں سے ملتے وقت ایک دل نواز تبسم ہمیشہ اُس کے چہرے کی زینت ہوتا، وہ قناعت پسند اور خوددار انسان تھا۔

میری اور اس کی دوستی کا سفر قریباً ۳۷ سال پر محیط ہے۔ حافظ محمد صدیق، حافظ محمد انور اور حافظ محمد سعید بھی ہمارے بچپن کے دوست ہیں۔ خیر المدارس کے دینی و روحانی ماحول میں ہم ایسے ''گستاخوں'' کا صبح و شام اکٹھے رہنا اور محفل آرائی کرنا بزرگوں پہ گراں گزرتا۔ وہ ہمیں ''پانچ کا ٹولہ'' کہتے اور بعض ''پنج تنی''۔ جب حلقۂ احباب میں اضافہ ہوا تو انہوں نے ہمیں ''صالحین'' کے زمرہ میں شامل کرلیا۔ قمر الحق قمر خیر المدارس کی چٹائی سے اٹھا اور ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور میں بسیرا کرلیا۔ اس نے صحافت کی پرخار وادی میں قدم رکھا تو معاشی پریشانیوں نے اُسے گھیر لیا۔ ملتان میں روزنامہ ''اخبار ملت''، روزنامہ ''عدل'' لاہور میں ہفت روزہ ''ابابیل'' اور ''جرأت'' اور ''تجارت'' کوئٹہ سے ہوتا ہوا روزنامہ ''خبریں'' ملتان سے وابستہ ہوگیا۔

اس نے فاقے کاٹے مگر فاقوں میں بھی ہاتھ کا سخی اور دل کا فیاض تھا۔ ۱۱ر جولائی کی دوپہر اُسے دل کا تیسرا دورہ پڑا اور وہ آخرت کو سدھار گیا۔ اُس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح شگفتہ اور مطمئن تھا۔ گویا وہ کہہ رہا تھا:

نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

قمر، جواں مرگ ہوگیا۔ بچپن کے دوستوں کی تسبیح ٹوٹ گئی اور ایک دانہ لڑی سے نکل کر آسودۂ خاک ہوگیا۔ اُس کی تین معصوم بیٹیاں ہیں۔ جنازہ میں انہیں دیکھ کر دل بجھ گیا۔ اللہ تعالیٰ اِن کلیوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

حافظ قمر الحق قمر.....ایسا پھول تھا جو کِھلا ضرور مگر کِھل کے مسکرا نہ سکا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ اُس کے بھائی نجم الحق، اکلوتی بہن، چچازاد مولانا محمد حنیف جالندھری اور دیگر تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

حرا آغائی

تو اِس چہرے کو......!

’’جیو‘‘ چینل پر ایک پروگرام آرہا تھا۔ جس میں چند منکرات و فاحشات، چھنالیں، کنچنیاں اور ’’دوزخ کی دُنبیاں‘‘ نیم برہنہ لباس میں بیٹھی ’’پردے‘‘ پر ژاژ خائی فرمارہی تھیں۔ موجودہ حکومت کے نظریاتی پلڑے میں مزید وزن ڈالنے کے لیے کہہ رہی تھیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حقوق دیئے ہیں۔ اُسے اس کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت ہے۔ رسول پاک ﷺ کے دور میں بھی صحابیات (رضی اللہ عنہم) جنگوں میں زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں......مولویوں کا رجعت پسندانہ اسلام عورتوں کی آزادی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے...... پردہ کرنا، داڑھی رکھنا، میوزک نہ سننا، فحش تصاویر والے سائن بورڈ توڑنا اچھے کام نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان میں بیچاری ایک ایم ایم اے کی نمائندہ باپردہ خاتون بھی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اُن ’’خوبصورت جانوروں‘‘ کو بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ رسول پاک ﷺ کے دور میں کسی خاتون کو مشیر وزیر نہیں بنایا گیا۔ احادیث کا حوالہ دیا، قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ مگر مادر پدر آزاد خواتین کی ایک فیصد نمائندہ، اپوا کی نرتکیوں نے جواب میں کہا کہ یہ آیات تو پیغمبر ﷺ کی ازواج کے لیے اتری تھیں۔

میرے ایک دوست نے اپنی مشکل بیان کی کہ میری بیٹی کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ لڑکا دینی اقدار کا حامل تھا۔ باریش اور نمازی۔ میرے دوست نے بتایا کہ میری بیوی نے رشتہ کرانے والی خاتون سے ٹیلی فون پر کہا کہ ذرا اس بات کا خیال رکھنا اور دیکھ لینا کہ لڑکا بہت زیادہ مذہبی نہ ہو۔ آج کل کی بچیاں برقعہ وغیرہ پسند نہیں کرتیں۔ آج کل وہ ماحول نہیں رہا......وقت کے ساتھ ساتھ اقدار بدل گئی ہیں۔ میرا دوست کہنے لگا میں نے بہت سمجھایا کہ خدا رسول کے احکامات تو وہی ہیں۔ زمانہ چاہے کتنا بدل جائے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات تو ابدی ہیں، ہمیشہ کے لیے ہیں۔ عورت بہرحال عورت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے......میرا دوست کہتا ہے کہ بجائے اس بات پر خوش ہونے کے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ایسے نوجوان موجود ہیں جو خدا رسول کے احکامات کی پیروی میں زندگی بسر کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ مگر بدبختی کی حد ہے کہ عورت ہی معاشرے کو خراب کرنے پہ تلی ہوئی ہے۔

کسی شاعر نے ایسی ہی نام نہاد مستورات کو خطاب کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

’’تیرے چہرے پہ پف پاؤڈر بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس چہرے کو پردے میں چھپا لیتی تو اچھا تھا
بہت کچھ بن کے بھی تو پھر وہی عورت کی عورت ہے
چراغِ خانہ ہی بن کر نبھا لیتی تو اچھا تھا‘‘

عینک فریمی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆ وزیراعلیٰ سرحد سے کہہ دیا تھا کہ توڑے گئے بورڈ دوبارہ لگوائیں۔ (صدر پرویز)
اور طالبان، افغانستان میں بت دوبارہ بنوائیں۔

☆ امریکہ وردی پر مطمئن ہے۔ (صدر پرویز)
این او سی مل گیا۔

☆ آئین کے ساتھ ایل ایف او ایسے ہی ہے جیسے مشرف کے ساتھ جمالی۔ (مجید نظامی)
کیا خوب تشبیہ ہے۔!

☆ دیانتداری کے باعث امریکی صدر کو متاثر کیا۔ (صدر پرویز)
اپنے منہ میاں مٹھو۔!

☆ مینارٹیز نے شریعت بل کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ (شہباز بھٹی)
کہ حکومت مینارٹیز کی نمائندہ ہے۔

☆ سمجھ نہیں آتا اسرائیل سے کیا دشمنی ہے؟ (صدر پرویز)
حالانکہ قوم سمجھ گئی ہے کہ جنرل پرویز کی اسرائیل سے دوستی ہے۔

☆ بش افریقہ آئے تو ملاقات نہیں کروں گا۔ (نیلسن منڈیلا)
غیرت ہو تو ایسی ہو۔!

☆ پاکستانیوں کی اکثریت مُلّائیت کی خواہاں نہیں۔ (صدر پرویز)
اب کھلا تجھ پہ یہ راز مسٹر بش سے ملاقات کے بعد

☆ مکہ مکرّمہ میں صدر پرویز، عمرہ کی ادائیگی کے دوران، حجر اسود کی زیارت کر رہے ہیں۔ (ایک تصویر)
''گواہ رہنا، میں داڑھی نہیں رکھوں گا''۔

☆ ہماری معاشی حالت دنیا کے لیے مثال ہے۔ (صدر پرویز مشرف)

میرے اِدھر بھی آدمی ہیں اور اُدھر بھی آدمی
اِن کے جوتوں پر چمک ہے اُن کے چہروں پر نہیں

''میں ایک ویگن ڈرائیور ہوں''

تین چار روپے کی سواری کے لیے بندہ پھڑّ کر دینا میرے لیے کوئی بات نہیں کہ مجھے سواری اور سٹاپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا.....کوئی دوسری ویگن میری ویگن سے آگے نکل جائے تو میرا خون کھول اٹھتا ہے.....کیونکہ پہلے ایمان یقین تھا کہ روزی اللہ دیتا ہے مگر اب سوچ بدل گئی ہے.....اگر کوئی ویگن مجھ سے آگے نکل جائے گی تو آگے کھڑی سواریاں وہ پہلے اٹھالے گی.....ویگن کا مالک میرا اصل رازق ہے.....میں اسے اچھی دیہاڑی دوں گا تو مجھے بھی چار پیسے مل جائیں گے.....میرے مالک کے ہاتھ بہت لمبے ہیں.....کوئی اُسے ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔اس کا اوپر والوں سے رابطہ ہے.....وہ باقاعدہ بھتہ ادا کرتا ہے جس کے بل بوتے پر میں پورے شہر میں ویگن ''دُوشوں'' کی طرح چلائے پھرتا ہوں.....سواری میرا آئیڈیل ہے' جہاں نظر آئی بریک لگالی.....سائیکل والا، پیدل، موٹر سائیکل سوار میری ویگن سے ٹکرا جائے' میرا ذمہ دوش پوش۔کہ میری اپنی بریکوں کے ساتھ میری ویگن کی بریکیں بھی فیل ہیں.....کانوں کو پھاڑ دینے والی ہارن کی آواز کے ساتھ جب میں سڑکوں سے گزرتا ہوں تو لوگ خود بخود ہی موت کے ڈر سے میرے لیے راستہ بناتے چلے جاتے ہیں.....میری تیز رفتار ویگن روڈ پر سے ایسے گزرتی ہے:

''رن وے پہ جیسے جیٹ کی سواری گزر گئی''

کوئی روڈ ہو، کتنا ہی لوڈ ہو مجھے ویگن میں سواریاں پیک کرنے کا سلیقہ آتا ہے اور پھر مجھے یہ بھی مہارت حاصل ہے کہ میں نے اپنے ''جیب کترے'' ساتھی کی تربیت کیسے کرنی ہے.....اسے وقت پر ہدایات دینے کے اشارے میرے اپنے ہیں.....اس سلسلے میں میری سیٹ کے سامنے لگا ہوا ریفلیکٹر میری بڑی مدد کرتا ہے.....کسی کینسر ہسپتال کے آگے سے زیادہ سے زیادہ دھوئیں کے بادل اُڑاتے ہوئے گزرنا میری پہچان ہے.....ٹریفک کے اصولوں کی پاسداری سے میرا کوئی تعلق نہیں کہ میرا مالک خود ٹریفک کا بادشاہ ہے.....آگے جانے والی ویگن کو اوورٹیک کرنا میرے لیے ضروری ہے' چاہے مجھے وہ بائیں طرف سے ہی کیوں نہ کرنا پڑے.....پاس سے گزر جانے والی ویگن کے ڈرائیور کو اگر آپ کبھی غور سے دیکھیں تو بال پریشاں، چاک گریباں، کان میں بالی، سلفے سے بھرا ہوا سگریٹ اور بڑھی ہوئی شیو سے ایسے لگتا ہے جیسے واردات کرکے بھاگا ہوا مجرم.....اپنے پاس سے گزر جانے والی تیز رفتار، کیچڑ اور گرد و غبار اڑانے والی ویگن کو پیدل اگر مڑ کر دیکھے تو اس کے پیچھے لکھا ہوا پائے گا:

''پریشان نہ تھی' میں وَل آساں''

شورش کاشمیری

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خاکِ طیبہ کے مسافر کی دعا یاد آئی
غائب از چشم ، بخاریؒ کی صدا یاد آئی

شوق پھر لے کے چلا کُوچۂ قاتل کی طرف
پھر کوئی بات بہ عنوانِ قضا یاد آئی

پھر کوئی شعلہ بیاں تیغ بہ کف آ پہنچا
پھر محمد کے گھرانے کی صدا یاد آئی

پھر گئے دور کی تاریخ نے پرچم کھولا
پھر مجھے طوق و سلاسل کی فضا یاد آئی

جب کبھی اس کی خطابت کا تصور باندھا
قرنِ اوّل کے خطیبوں کی ادا یاد آئی

جب کبھی معرکۂ بدر و احد یاد آیا
خاکِ لاہور کی گُلگُونہ قبا یاد آئی

جب کبھی خونِ شہیدانِ وغا بول اٹھّا
نقش آرائیِ تسلیم و رضا یاد آئی

دور تک جرأتِ گفتار کی بجلی کوندی
دیر تک شوخیٔ نقشِ کفِ پا یاد آئی

شورش اس کشمکشِ دہر کے ویرانے میں
ایک محبوب قلندر کی ادا یاد آئی

''دعوتِ امریکہ''

☆.....اُولٰئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النّارِ! [1]

علامہ عبدالرشید طالوتؔ مرحوم، علامہ اقبالؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ارادت مندوں میں سے تھے۔ اقبالؒ سے ملاقاتیں بھی رہیں اور خط و کتابت بھی۔ شاہ جیؒ کے رفیقِ فکر اور نیاز مند تھے۔ قادر الکلام شاعر، انشا پرداز، بیباک صحافی اور متبحر عالم دین۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو دورۂ امریکہ کی دعوت ملی اور وہ دورۂ روس منسوخ کر کے امریکہ چلے گئے۔ علامہ طالوت مرحوم نے اس نظم میں دورۂ امریکہ کی دعوت پر جو تبصرہ و تجزیہ کیا ہے، اُسے موجودہ صدرِ مملکت کے دورۂ امریکہ کے تناظر میں بھی پڑھیں تو ان کے پیش کردہ خدشات کی تصدیق ہوتی ہے۔ (مدیر)

امانِ حق تعالیٰ میں ہو غیرت — انہیں آیا ہے امریکی بلاوا
یہ مقصد ہے کہ لیڈر قوم کے سب — یہاں سے لاد کر ! اپنا کجاوہ
مزارِ ٹام پر آ کر چڑھائیں — سیاسی عقل و دانش کا چڑھاوا
ہمیشہ بس فرنگی ہی کو سمجھیں — ملاذ و ملجأ حاجاتِ ماویٰ
وہی ہو کعبۂ مقصود و مطلوب — وہیں ڈھونڈیں غلامی کا مداویٰ
رجائیّۃ سے دامن پُر ہو سب کا — رکھیں امید پر چشمِ وفا وا
بصیرت اور بصارت سے جو لیں کام — بہت کچھ دیکھ لیں اس کے علاوہ !

مگر لیڈر ہمارے بھی ہیں معذور
کہ ہے ابصار [2] پر ان کے غشاوہ

[1] ''وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف۔'' (البقرہ:۲۲۱)

[2] وَعَلیٰ اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (ترجمہ: ''اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔'' (البقرہ:۷)

سید کاشف گیلانی

یادِ رفتگاں

کتنے ہی لوگ شہرِ خموشاں میں کھو گئے
دنیا میں کب پلٹ کے وہ آئے ہیں جو گئے

ہر لمحہ ان کی یاد ستاتی ہے کس لیے
جو لوگ اس جہاں سے ہیں کہنے کو تو گئے

سوبار نہ رونے کا تہیہ کیا مگر
کچھ حادثے بلا کے یہ آنکھیں بھگو گئے

جب سچ کہا تو غیر کا شکوہ میں کیا کروں
اپنے ہی میری راہ کی دیوار ہوگئے

دریا میں کشتیوں کو نہ طوفاں میں ڈالتے
کیسے وہ ناخدا تھے سفینے ڈبو گئے

بیٹھا ہوں انتظار میں آئیں گے میرے دوست
بربادیوں کے ذکر پہ دشمن تو رو گئے

چلتے تھے زندگی میں جو مخمل کے فرش پر
جب موت آگئی تو زمیں پر ہی سو گئے

کاشفؔ نہ زندگی کا میں ادراک کر سکا
کل آئے تھے دنیا میں جو دنیا سے ہو گئے

ابوسفیان تائبؔ

ترانۂ شُبّانِ احرار

ہم ہیں شُبّانِ احرار — جھوٹی نبوت چلنے نہ دیں گے
دین کے گلشن کی ہیں بہار — اس ناسور کو پلنے نہ دیں گے
اس گلشن کی خاطر یا رب! — اب بھی فضا میں گونج رہی ہے
جاں دینے کا ہے اقرار — امیر شریعتؒ کی للکار
ہم ہیں شُبّانِ احرار — ہم ہیں شُبّانِ احرار
دین کے گلشن کی ہیں بہار — دین کے گلشن کی ہیں بہار
ہم توحید کے ہیں دیوانے — مکرِ فرنگی چاک کریں گے
ختم نبوت کے پروانے — ظلم سے دنیا پاک کریں گے
آزادی کے ہیں مستانے — ہر باطل کو خاک کریں گے
سچائی ہے اپنا شعار — ہم اسلام کی ہیں یلغار
ہم ہیں شُبّانِ احرار — ہم ہیں شُبّانِ احرار
دین کے گلشن کی ہیں بہار — دین کے گلشن کی ہیں بہار
تائبؔ بھی ہے ساتھ تمہارے — ہاتھوں میں ہیں ہاتھ ہمارے
اب گونجیں گے تکبیر کے نعرے — چمکے خالدؓ کی تلوار
ہم ہیں شُبّانِ احرار — دین کے گلشن کی بہار
اس گلشن کی خاطر یارب!
جان دینے کا ہے اقرار

مسافرانِ آخرت

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن (''ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں'')

قبر کے چوکھٹے خالی ہیں 'انہیں مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر لگادی جائے

☆ حافظ عبدالمجید رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ: حضرت پیر جی عبداللطیف رحمتہ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ) کے بڑے صاحبزادے حافظ عبدالمجید رائے پوری صاحب ۱۱ر جولائی ۲۰۰۳ء کو انتقال کر گئے۔ مرحوم مدرسہ تجوید القرآن چیچہ وطنی (ضلع ساہیوال) کے مہتمم تھے۔

☆ قمر الحق قمر مرحوم: سینئر صحافی جناب قمر الحق قمر ۱۱ر جولائی ۲۰۰۳ء بروز جمعتہ المبارک دل کا دورہ پڑنے سے ملتان میں انتقال کر گئے۔ مرحوم' حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے پوتے، مولانا عبدالحق جالندھریؒ کے فرزند، مولانا نجم الحق کے بڑے بھائی بھائی اور قاری محمد حنیف جالندھری (مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان) کے چچازاد تھے۔

☆ میاں ریاض الحق فاروق رحمہ اللہ: معروف محقق مولانا محمد الیاس فیصل (مقیم مدینہ منورہ) کے بڑے بھائی اور ہمارے دیرینہ کرم فرما' ۲۱ر جولائی کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔

☆ محمد خالد مرحوم بن قاضی عبدالرشید ۱۶ر جون ۲۰۰۳ء (غازی پور۔ ضلع رحیم یار خان)

☆ جناب عبداللطیف خالد چیمہ کی چچی صاحبہ، جناب عرفان چیمہ کی والدہ ماجدہ اور محمد مجیب الرحمٰن کی ہمشیر' ۱۴ر جولائی ۲۰۰۳ء لندن میں انتقال کر گئیں۔

☆ والدہ مرحومہ محمد طارق یوسف صاحب (فیصل آباد)

☆ ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کے سرکولیشن منیجر محمد یوسف شاد کی چچی صاحبہ اُمِّ رحیم بخش' انتقال: ۱۸ر جولائی (کوٹ رنبواز۔ ملتان)

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت اور جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین) قارئین ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا خصوصی اہتمام کریں۔

دعائے صحت

☆ بنتِ امیر شریعت سیدہ اُمّ کفیل بخاری مدظلہا

☆ محترم عبدالرحمٰن جامی نقشبندی (جلال پور پیر والا' ضلع ملتان)

☆ ادارہ ''نقیب ختم نبوت'' کے معاونین جناب خالد اسلام (پلاسٹک کراکری والے' شرقی النگ حرم گیٹ' ملتان) ☆ جناب حاجی غلام رسول قریشی (شاہین ٹینٹ ہاؤس' مبین مارکیٹ گلگشت' ملتان) ☆ خان امان اللہ خان (حسن آباد' ملتان)

اللہ تعالیٰ تمام مریضوں کو صحتِ کاملہ عطاء فرمائے۔ (آمین) قارئین سے بھی دعائے صحت کی درخواست کی جاتی ہے۔

ساغر اقبالی

آخری صفحہ

☆صوفی نذیر احمد مرحوم (سٹینڈرڈ بیکری ملتان) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے عقیدت مند اور مجلس احرار اسلام کے سرگرم کارکن تھے۔ اکثر عصر کی نماز کے بعد شاہ جیؒ کے ہاں تشریف لے جاتے، کیک بسکٹ ساتھ لے جاتے اور چائے شاہ جیؒ کیساساتھ نوش فرماتے۔ ایک دفعہ حسبِ معمول حاضر ہوئے اور چائے آ گئی۔ شاہ جیؒ چائے پیتے رہے اور صوفی صاحب سے مخاطب ہو کر غالب کے شعر میں تصرف کر کے یوں پڑھتے رہے:

''ابن مریم ہوا کرے کوئی''
کیک بسکٹ دیا کرے کوئی

☆ پاکستان بننے کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔ قلعہ قاسم باغ ملتان میں کوئی نمائش لگی ہوئی تھی۔ میلے ٹھیلے کا سماں تھا۔ رات کے وقت لاؤڈ سپیکر کی آواز پورے شہر میں گونجتی۔ وہاں کوئی سرمہ بیچنے والا بھی تھا۔ جو لے میں آ کر گاتا:

''سرمہ میرا نرالا آنکھوں میں جس نے ڈالا
دم بھر ہوا اُجالا ہے کوئی نجر والا''

دو تین دن مسلسل یہ آواز آتی رہی۔ شاہ جی (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) بڑے تنگ ہوتے، نماز، اوراد و وظائف میں خلل آتا۔ ایک دن وضو کر رہے تھے کہ یہی آواز آئی، ابھی اس نے یہ دو مصرعے ہی پڑھے تھے:

''سرمہ میرا نرالا آنکھوں میں جس نے ڈالا''

کہ شاہ جیؒ نے وضو سے فارغ ہوتے ہی اس پہ یہ گرہ لگائی:

''اندھا ہوا وہ سالا'' ہے کوئی نجر والا

(روایت: ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ)

☆۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت کے دوران، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے مسجد رونٹی والی گجرات میں تقریر کی اور آغاز میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ خطبہ اور تلاوت کے بعد سکوت اختیار کیا ہی تھا کہ ولایت علی شاہ (انگریزی پیر) فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بولے ''شاہ جی! آپ نے ''ولا الضّالین'' میں ''داد'' کی جگہ ''ضاد'' کیوں پڑھا ہے؟''

شاہ جیؒ نے بداہتہً جواب دیا: ''رات کو میں نے حلوہ کھایا، جس سے مجھے ''کبد'' (قبض) ہو گئی۔ میں صبح کو حکیم کے ہاں گیا۔ اس نے میری ''نبد'' (نبض) دیکھی اور اس نے کہا کہ یہ ''مرد'' (مرض) لادوا ہے۔'' یہ سنتے ہی ولایت علی شاہ نے چپ سادھ لی۔ وہ سر چھپا کر بیٹھ گیا اور اُسے جائے پناہ نہ ملتی تھی اور مضطرب و پریشاں مجمع زعفران زار بن گیا۔

روایت: میجر (ر) نیاز علی (گجرات) تحریر: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ

دین وسیاست، تاریخ وسوانح اور تحقیق وتنقید پر مشتمل نئی کتابیں

حیاتِ بخاریؒ

بطل حریت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
کی پہلی سوانح ★ اثر خامہ: خان غازی کابلیؒ
مدوّن: ڈاکٹر شاہد کاشمیری قیمت: -/120 روپے

خطبات شورش

بے باک صحافی، شعلہ نوا خطیب، عظیم مجاہد آزادی
آغا شورش کاشمیریؒ کے ہنگامہ خیز خطبات کا پہلا مجموعہ
مدوّن: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی قیمت: -/200 روپے

حیاتِ امیر شریعتؒ

بطل حریت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
کے سوانحی حالات وواقعات
مصنف: جانباز مرزا مرحوم ★ قیمت: -/150 روپے

خواجہ عبدالرحیم عاجز

احوال وکلام
ایک تاریخی دستاویز مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام
تحقیق: ڈاکٹر شاہد کاشمیری قیمت: -/200 روپے

احکام ومسائل

★ فرضیتِ تاریخ جمعہ عیدین ★ نکاح، عقیقہ کے خطبات ★ مسائل، نماز استسقاء
★ قنوت نازلہ، فطرانہ، صدقہ اور زکوٰۃ وعشر کے مسائل پر ایک شاہکار تحقیقی کتاب
مصنف: جانشین امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ قیمت: -/250 روپے

سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہ

ایک مظلوم شخصیت، حقائق کے آئینے میں
مؤلف: حکیم محمود احمد ظفر قیمت: -/15 روپے

فتنۂ جمہوریت

★ جمہوریت، خلاف اسلام اور شیطانی نظام ہے
★ قرآن وحدیث اور تاریخی حوالوں کی روشنی میں
مصنف: حکیم محمود احمد ظفر قیمت: -/125 روپے

آزادی کی انقلابی تحریک

جنگ عظیم 1939ء کی فوجی بھرتی کے خلاف
مجلس احرار اسلام کی عظیم تحریک پر پہلی تحقیقی کتاب
مؤلف: محمد عمر فاروق قیمت: -/150 روپے

عقیدۂ ایصالِ ثواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں
مؤلف: مولانا ابو یحیان عبدالغفور سیالکوٹی قیمت: -/20 روپے

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

احادیث کی روشنی میں
مؤلف: مولانا ابو یحیان عبدالغفور سیالکوٹی قیمت: -/20 روپے

شعلۂ گفتار

خطیب بنی ہاشم سید عطاء المحسن بخاریؒ کے دینی، علمی، تاریخی
اور سیاسی خطبات کا مجموعہ ★ مرتب: سید محمد کفیل بخاری (زیر طبع)

سیلِ افکار

سید عطاء المحسن بخاریؒ کے فکر انگیز اخباری کالموں کا مجموعہ
ادب وانشاء، تجزیہ وتنقید اور فکر ونظر کا بہترین مرقع
مرتب: سید محمد کفیل بخاری (زیر طبع)

مولانا محمد علی جالندھریؒ

ایک مجاہد نبوت اور مبلغ اسلام کی دروایشانہ اور مجاہدانہ زندگی کے احوال
مؤلف: مولانا سعید الرحمٰن علویؒ
مقدمہ: حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ قیمت: -/100 روپے

فری میسنری (اسلام دشمن خفیہ یہودی تنظیم)

★ فری میسنری کی تین سو سالہ تاریخ ★ عالم اسلام کی تباہی میں سیاسی کردار
★ گمنام سازشوں کی پردہ کشائی ★ اہم حقائق کا تجزیہ ومطالعہ
قیمت: -/200 روپے مؤلف: بشیر احمد (ایم اے)

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون: 061-511961

توحید و ختم نبوت کے علمبردارو ایک ہو جاؤ! (مجدد احرار سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

یوم تحفظ ختم نبوت کے مبارک موقع پر

سالانہ ختم نبوت کانفرنس لاہور
تحفظ

7 ستمبر 2003ء بروز اتوار، بعد نماز مغرب

مقام: دفتر مجلس احرار اسلام پاکستان 69 سی حسین سٹریٹ وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔ فون: 042-5865465

زیر صدارت

قائد احرار ابن امیر شریعت

حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

خطباء محترم نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا زاہد الراشدی، محترم چودھری ثناء اللہ بھٹہ

محترم پروفیسر خالد شبیر احمد، محترم عبداللطیف خالد چیمہ، محترم قمر الحق بادشاہ، سید محمد کفیل بخاری

درج ذیل حضرات کے لیکچرز ہوں گے

- مولانا زاہد الراشدی
- پروفیسر ابو کلام خواجہ
- مولانا محمد مغیرہ
- مولانا محمد اشرف
- جناب عبداللطیف خالد چیمہ
- سید محمد کفیل بخاری

تین روزہ ردّ قادیانیت کورس

4-5-6 ستمبر 2003ء

جمعرات، جمعہ، ہفتہ

روزانہ بعد نماز عصر تا عشاء

عنوانات

★ عقیدہ ختم نبوت، قرآن و حدیث کی روشنی میں ★ حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، مرزائیت کے آپریشن کا طریقہ کار، قادیانی سازشیں اور ان کا رد

★ احرار اور محاسبہ قادیانیت

شعبہ نشر و اشاعت

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان